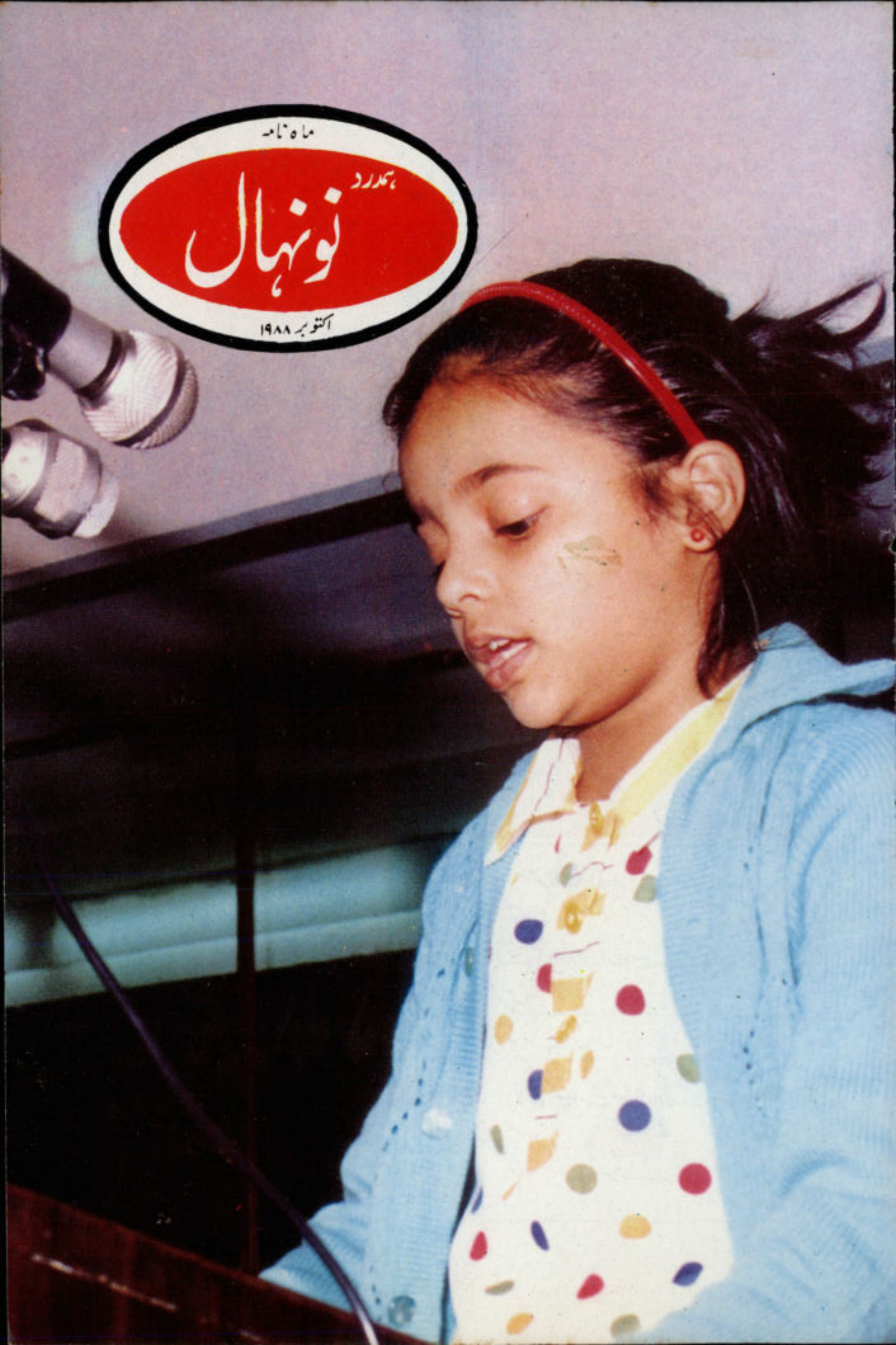
ماہ نامہ
ہمدرد
نونہال
اکتوبر ۱۹۸۸

نونہالانِ وطن کی تن درستی کا ایک اور نکتہ!

اچھی صحت کا ایک نکتہ یہ ہے کہ مسوڑھے صحت مند ہوں تاکہ دانت مضبوط ہوں۔ دانت صاف ہوں تاکہ وہ موتیوں کی طرح چمکیں۔

تن درستی کا ایک اور نکتہ یہ ہے کہ ہر دن صبح اٹھتے ہی اور ہر رات سونے سے پہلے نونہال ٹوتھ پیسٹ سے دانتوں کو صاف کریں۔

سونف، پودینے سے بنا ہوا، اور گلِ آب میں بسا ہوا۔

ہمدرد
نونہال ٹوتھ پیسٹ
نازک دانتوں کے لیے نازک ٹوتھ پیسٹ

انسان دوست، جہاں دوست
ہمدرد
ہم خدمتِ خلق کرتے ہیں

Everyone loves to eat

mayfair Toffees and Sweets

■ Milk Bon Bon ■ Orange Candies.
■ Coconut Candies. ■ Deluxe Toffees ■ Assorted Candies.
■ Tattoo Toffees ■ Honey Candies.

And now another
offer from the house of Mayfair

Milka Chew
Fruta Chew
Minta Chew

mayfair **Bubble**

You will love it because it is the only juicy bubble that makes

big big Bubbles.

mayfair The Sweet Favourites.

AFI Asian Food Industries (Private) Limited.
Shernaz House, West Wharf Road, Karachi, Pakistan.
Phones: 201612, 201617 Cable: BON BON Telex: 25482 AFI PK

ADARTS AFI 1 86

PID (Islamabad)
manhattan International

مجلسِ ادارت

صدرِ مجلس: حکیم محمد سعید

مدیرِ اعلا: مسعود احمد برکاتی

مدیرۂ اعزازی: سعدیہ راشد

صفر المظفر	۱۴۰۹ ہجری
اکتوبر	۱۹۸۸ عیسوی
جلد	۳۶
شمارہ	۱۰
فی شمارہ	۵ رُپے
سالانہ	۵۵ رُپے
سالانہ (رجسٹری سے)	۱۰۳ رُپے

ISSN 0259 - 3734

رُکن آل پاکستان نیوز پیپرز سوسائٹی

ہمدرد نونہال

فون: 616001 سے 616005

(پانچ لائنیں)

قرآن حکیم کی مقدس آیات اور احادیثِ نبویؐ آپ کی دینی معلومات میں اضافے اور تبلیغ کے لیے شائع کی جاتی ہیں۔ ان کا احترام آپ پر فرض ہے۔ للہٰذا جن صفحات پر یہ آیات درج ہوں ان کو صحیح اسلامی طریقے کے مطابق بے حرمتی سے محفوظ رکھیں۔

پتا: ہمدرد نونہال ہمدرد ڈاک خانہ ناظم آباد کراچی ۷۴۶۰۰

ہمدرد فاؤنڈیشن پاکستان نے نونہالوں کی تعلیم و تربیت اور صحت و مسرت کے لیے شائع کیا

حکیم محمد سعید پبلشر نے ماس پرنٹرز کراچی سے چھپوا کر ادارۂ مطبوعات ہمدرد ناظم آباد کراچی ۱۸ سے شائع کیا

اس رسالے میں کیا ہے

۵	جاگو جگاؤ	جناب حکیم محمد سعید
۶	پہلی بات	مسعود احمد برکاتی
۸	خیال کے پھول	ننھے گل چیں
۹	ہمارے نبیؐ نے کیا کیا؟	جناب شفیع الدین نیّر
۱۰	نونہال بڑوں کی نظر میں	ادارہ
۱۱	رسول پاکؐ کی عادتیں	مولانا اعجاز الحق قدوسی
۱۵	تحفے	باذوق نونہال
۱۹	صفائی (نظم)	محترمہ عاصمہ گل عصمی
۲۱	خطرناک ایجاد	تارا یوسف
۲۹	طب کی روشنی میں	جناب حکیم محمد سعید
۳۲	عقل مند غلام	حامد علی شاہد
۳۷	پھول کھلے ہیں جنگل میں	جناب مناظر صدیقی
۴۴	چاند کا بوڑھا	جاوید اقبال سہتہ
۴۶	آدھی مونچھ	عامر یونس
۵۳	کثیر خلیاتی حیوانات ...	جناب ڈاکٹر منظور احمد
۵۹	آخری نغمہ	محترمہ ثریا فرخ
۶۳	ہمدرد انسائکلوپیڈیا	جناب علی ناصر زیدی
۶۷	بزم ہمدرد نونہال لاہور	ادارہ
۷۱	کارٹون	جناب مشتاق
۷۳	کیا جانور بول سکتے ہیں	محترمہ ریحانہ ظفر

معلومات عامہ نمبر ۲۷۰	ادارہ	۷۲
صحت مند نونہال	ادارہ	۸۱
اخبارِ نونہال	ننھے صحافی	۸۵
قارئین کی عدالت	نونہال پڑھنے والے	۱۰۲
نونہال مصوّر	ننھے آرٹسٹ	۷۹
مسکراتے رہو	ننھے مزاح نگار	۸۲
نونہال ادیب	ننھے لکھنے والے	۸۷
معلومات عامہ ۲۶۸ کے جوابات	ادارہ	۱۰۹
اس شمارے کے مشکل الفاظ	ادارہ	۱۱۲

اس رسالے میں تمام کہانیوں کے کردار اور واقعات فرضی ہیں۔ ان میں سے کسی کی کسی حقیقی شخص یا واقعے سے مطابقت محض اتفاقی ہو سکتی ہے جس کے لیے ادارہ ذمے دار نہ ہوگا۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

جاگو جگاؤ

ہر انسان اپنے کو اچھا سمجھتا ہے۔ بعض لوگ اپنے کو بڑا بھی سمجھتے ہیں۔ اپنے مقابلے میں دوسروں کو چھوٹا یا حقیر سمجھتے ہیں۔ اپنے کو اچھا سمجھنا کسی حد تک تو فطری ہے، لیکن بڑا سمجھنا اور دوسروں کو کم سمجھنا اچھا نہیں ہے۔ اس کو تکبّر کہتے ہیں۔ تکبّر سے انسان میں دوسری برائیاں اور اخلاقی عیب بھی پیدا ہوتے ہیں۔ انسان کے دِل میں دوسروں کی محبّت اور عزّت ختم ہو جاتی ہے۔ اس کی وجہ سے وہ اپنے عزیزوں، دوستوں، ساتھیوں میں نامقبول ہو جاتا ہے۔ تکبّر اللہ تعالیٰ اور اس کے رسولؐ کو بھی پسند نہیں ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"جس شخص کے دل میں ذرا بھی تکبّر ہو گا وہ جنّت میں نہیں جائے گا۔" ایک صاحب نے عرض کیا کہ ہر شخص اس بات کو پسند کرتا ہے کہ اس کا لباس اچھا ہو، تو کیا یہ چیز بھی تکبّر ہو گی؟ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ لوگوں کو حقیر و ذلیل سمجھنا تکبّر ہے۔

خود نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی اپنی بڑائی پسند نہیں تھی۔ کوئی موقع ہوتا تو آپؐ اپنے ساتھیوں کے ساتھ مل کر کام کرنا چاہتے۔ ساتھی عرض کرتے کہ آپؐ تکلیف نہ فرمائیں تو فرماتے کہ مجھے یہ بات گوارا نہیں ہے کہ میں اپنے کو تم سے الگ سمجھوں۔

اگر کبھی دل میں اپنی بڑائی کا خیال پیدا ہو تو اس خیال کو دل سے فوراً نکالو۔ بڑائی صرف اللہ کے لیے ہے۔ رسول اللہؐ کی سیرت اور بزرگوں کے حالات پڑھنے سے دِل سے تکبّر اور دوسری اخلاقی بُرائیاں دُور ہوتی ہیں۔

تمھارا دوست اور ہمدرد

حکیم محمد سعید

پہلی بات

مسعود احمد برکاتی

اکتوبر کا یعنی ۱۹۸۸ء کا دسواں شمارہ آپ کے ہاتھوں میں ہے۔ اللہ تعالیٰ نونہال دوستوں کو سلامت رکھے، پاکستان کو قائم و دائم رکھے اور پاکستان کی خدمت کرنے والے پھلیں پھولیں۔

اگست کے مہینے میں ہم بہت بڑے حادثے سے گزرے ہیں۔ یہ ایک ایسا اَلم ناک حادثہ تھا جس کا اثر پوری قوم پر پڑا۔ پاکستان کے صدر اور فوج کی کئی اہم اور تجربے کار افسر اس حادثے میں شہید ہوئے۔ قوم کے خدمت گزاروں کی اس طرح یکایک جُدائی ملک و قوم کے لیے بڑی نقصان دہ ہوتی ہے۔ صدر جنرل محمد ضیاء الحق صاحب ذاتی طور پر بھی ایک سادہ، منکسر، خوش مزاج اور انسان دوست شخصیت تھے۔ گیارہ سال سے ملک کی باگ ڈور اُن کے ہاتھ میں تھی۔ ان کی اچانک جُدائی سے پاکستان کو خطروں کا سامنا تھا۔ لیکن اللہ کا شکر ہے کہ قوم اس آزمائش سے کام یاب گزر گئی۔ ہم مرحومین کے لیے دعاے مغفرت کرتے ہیں۔

زندہ قومیں حادثوں اور خطروں کا مقابلہ اسی ہمت سے کرتی ہیں، جس ہمّت سے ہماری قوم نے ۱۷ اگست ۸۸ء کے حادثے اور اس کے نتیجے میں پیدا ہونے والے حالات کا کیا۔ انسان فانی ہے۔ ہر انسان کو اس دنیا سے کبھی نہ کبھی جانا ہے، لیکن قوم کو زندہ رہنا ہے۔ اس لیے اس کی زندگی کا انحصار کسی ایک انسان یا چند انسانوں پر نہیں ہے، چاہے وہ انسان کتنے ہی قابل اور ماہر ہوں۔ بے شک اچھے اور بڑے انسانوں کے اُٹھ جانے سے قوم و ملک کو نقصان پہنچتا ہے، لیکن جس قوم میں قابل اور محبِ وطن لوگوں کی کمی نہ ہو وہ قوم اس نقصان کو جلد پورا کر لیتی ہے۔ اس لیے ہماری ایسی کوشش ہونی چاہیے کہ ایسی تعلیم دیں اور ایسا ماحول پیدا کریں کہ ملّت کے سچے اور اہل خادموں کی کسی شعبے میں بھی کمی نہ ہو۔

یہ بات نونہالوں کے خاص طور پر سمجھنے کی ہے۔

نونہال ادب

نونہالوں میں تعلیم کا شوق پیدا کرنے، ان کی معلومات میں اضافہ کرنے اور ان کو صحت مند تفریح فراہم کرنے کے لیے آسان زبان میں مختصر اور خوب صورت کتابوں کی ضرورت بہت عرصے سے محسوس کی جا رہی تھی۔ ہمدرد فاؤنڈیشن نے اس مقصد کے لیے "نونہال ادب" کا سلسلہ شروع کیا ہے اور پیاری پیاری کتابیں شائع کی ہیں۔ ان کتابوں کے پڑھنے سے بچوں کے ذہن روشن ہوں گے، اپنی تہذیب سے محبت پیدا ہوگی اور ان کا وقت مفید کام میں صرف ہوگا۔

کتابوں کے نام

- اسلام کے جاں نثار
- خفیہ سرنگ
- آخری لمحے
- مورا سے فرار
- گدھے کا سر
- قراقرم کی وادی
- بیس سال بعد
- ستاروں کی دنیا
- اندلس کا نجومی
- ہیروں کے چور
- پکڑے گئے
- کروڑ پتی فقیر
- حویلی کے بھوت
- انسان اور جانور
- جھیل کا راز
- ہمت کے کرشمے
- خلائی مسافر
- منصور نگر کی دولت
- گلاب ڈھیری کا نیلم
- پادری کی روح

ہر کتاب کی قیمت آٹھ رُپے ہے

پانچ کتابیں ایک ساتھ منگانے پر ۲۵ فیصد رعایت۔ ڈاک کا خرچ بھی ادارہ برداشت کرے گا۔ کوئی سی بھی پانچ کتابیں منگانے کے لیے تیس رُپے کا منی آرڈر یا پوسٹل آرڈر بھیجیے۔ وی۔ پی نہیں بھیجا جائے گا۔ ڈاک خانے سے منی آرڈر کی جو رسید آپ کو ملے وہ اگر بھیج دیں تو منی آرڈر کا انتظار کیے بغیر کتابیں فوراً روانہ کردی جائیں گی۔

ہمدرد فاؤنڈیشن پریس - ہمدرد سینٹر۔ ناظم آباد ۳، کراچی ۷۴۶۰۰

خیال کے پھول

● حضور اکرمؐ : بیمار کی عیادت کرو اور بھوکے کو کھانا کھلاؤ۔ مرسلہ: عمران قیوم، کراچی

● حضرت داؤدؑ : اپنی ضرورتوں کو کم کرلینا ہی سب سے بڑی دولت ہے۔

مرسلہ: رابعہ بصری، ٹنڈو الہ یار

● حضرت عثمان غنیؓ : حیا کے ساتھ تمام نیکیاں اور بے حیائی کے ساتھ تمام بُرائیاں ہیں۔

مرسلہ: محمد اکرم سیالوی، وکیل والا

● حضرت علیؓ : آزادی کی حفاظت نہ کرنے والا غلامی میں گرفتار ہو جاتا ہے۔

مرسلہ، طلعت رضوی، سیال کوٹ

● حضرت امام جعفر صادقؒ : توبہ کرنا آسان لیکن گناہ چھوڑنا مشکل ہے۔

مرسلہ، شبانہ رحمت علی صدیقی، دولت پور صفن

● حضرت رابعہ بصریؒ : حسد کرنے والا اور لالچ کرنے والا کبھی چین نہیں پاتا۔

مرسلہ: محمد یعقوب عبدالرحمٰن میمن، شاہ پور چاکر

● ابنِ خلدون : خاموشی بے فائدہ گفت گو سے بہتر ہے۔

● حضرت شیخ سعدیؒ : اگر چڑیاں متحد ہو جائیں تو شیر کی کھال نوچ سکتی ہیں۔

مرسلہ: محمد حسین طاہر حسین، شکار پور

● افلاطون : خاموشی میں انسان کی سلامتی ہے۔ مرسلہ: عثمان سلیم، ملتان

● ایڈمنڈ اسپنسر : زندگی کیا ہے؟ وقت اور صرف وقت۔ عالیہ سبحان، کراچی

● ایڈیسن : میں زندگی میں کبھی ناکام نہیں ہوا، کیوں کہ میں نے ہر ناکامی سے کچھ نہ کچھ سبق ضرور حاصل کیا ہے۔ مرسلہ: ثوبیہ اقبال، کراچی

● ٹالسٹائی : کسی کا دل نہ دُکھاؤ کہ تم بھی دل رکھتے ہو۔ مرسلہ: حسن مہدی خراسانی، کراچی

● خلیل جبران : تم مصیبت اور ضرورت کے وقت عبادت کرتے ہو۔ کاش خوشی اور فراغت کے وقت بھی تم اللہ کو یاد کر لیتے۔

مرسلہ: طارق محمود تُرکی، چاہ سیالاں

● کارنیگی : ہر روز کم از کم ایک اچھا کام ایسا کرو جو کسی کے دُکھی چہرے پر مسکراہٹ بکھیر دے۔

مرسلہ: جے۔ آئی۔ ساغر، کراچی

● ولیم المیری : ہر شخص ایک موٹی کتاب ہے۔ بشرطے کہ آپ کو پڑھنا آتا ہو۔ مرسلہ: روح اللہ، فیصل آباد

ہمارے نبیؐ نے کیا کیا؟

محمد شفیع الدین نیّر

دکھائی ہمیں راہِ اسلام کس نے؟ سُنایا ہمیں حق کا پیغام کس نے؟
ہمارے نبیؐ نے ہمارے نبیؐ نے

محبت کی یہ رِیت کس نے سِکھائی؟ کہ انسان سب بن گئے بھائی بھائی
ہمارے نبیؐ نے ہمارے نبیؐ نے

مساوات کے پھول کس نے کھلائے اُخوت کے گلدان کس نے سجائے
ہمارے نبیؐ نے ہمارے نبیؐ نے

یتیموں کا دل شاد کس نے کیا ہے؟ غلاموں کو آزاد کس نے کیا ہے؟
ہمارے نبیؐ نے ہمارے نبیؐ نے

ہمیں عِلم کا شوق کس نے دلایا؟ جہالت کے پھندے سے کس نے چُھڑایا؟
ہمارے نبیؐ نے ہمارے نبیؐ نے

دیا ہم کو توحید کا جام کس نے؟ بنایا ہمیں خیر اقوام کس نے؟
ہمارے نبیؐ نے ہمارے نبیؐ نے

ترقی کے زینے پہ کس نے چڑھایا غرض یہ کہ انسان کس نے بنایا!
ہمارے نبیؐ نے ہمارے نبیؐ نے

نونہال بڑوں کی نظر میں

ممتاز عالم و مصنّف ڈاکٹر مشیر الحق وائس چانسلر کشمیر یونی ورسٹی لکھتے ہیں

ہمدرد نونہال کا خاص نمبر چند دن ہوئے موصول ہوا۔ یاد آوری کے لیے مشکور ہوں۔ پوری طرح سے رسالے کو پڑھنے کا موقع ابھی تک نہیں ملا، کیوں کہ وہ ابھی میری بیوی اور لڑکی کے قبضے میں ہے۔ پھر بھی اُلٹ پلٹ کر تو اسے دیکھ ہی لیا ہے۔ ماشاء اللہ حُسنِ ترتیب حُسنِ طباعت کے ساتھ مضامین کا معیار بھی اچھا ہے۔

اکادمی ادبیات پاکستان کے صدر پروفیسر پریشان خٹک لکھتے ہیں

آپ جس طرح بچّوں کے ادب کی خدمت ماہ نامہ ہمدرد نونہال کے ذریعہ سے کر رہے ہیں وہ یقیناً قابلِ ستائش ہے۔ آپ کا یہ رسالہ بچّوں کے لیے تفریح کے ساتھ ساتھ معلومات کا ایک ذخیرہ بھی ہے۔ اسے پڑھ کر بچّے نہ صرف محظوظ ہوتے ہیں بلکہ ان کی معلومات میں اضافہ بھی ہوتا ہے اور اس طرح کے دیدہ زیب رسالوں سے بچّوں میں ذوقِ مطالعہ بیدار ہوتا ہے۔

ممتاز سائنس داں جناب ڈاکٹر منظور احمد پروفیسر حیوانیات جامعۂ کراچی لکھتے ہیں

کافی عرصے سے مجھے بچّوں کے ماہ نامے "ہمدرد نونہال" کو دیکھنے کا موقع مِل رہا ہے۔ مجھے یہ کہتے ہوئے بڑی مسرت ہو رہی ہے کہ جس قدر متنوع، معلوماتی اور معیاری مواد آپ اس رسالے میں پیش کر رہے ہیں وہ آپ کی محنت، ذاتی توجہ اور بالغ نظری کا واضح ثبوت ہے۔ بلاشبہ نونہال اپنے مضامین کی افادیت کے لحاظ سے کسی بھی بین الاقوامی جریدے سے کم نہیں۔ کہنے کو تو یہ بچّوں کا رسالہ ہے لیکن اس کے مستند مقالوں اور صحت مند ادبی رجحان کی وجہ سے نوجوان، جوان اور بڑے بھی اسے ذوق و شوق سے پڑھتے ہیں۔

رسولِ پاکؐ کی عادتیں

مولانا اعجاز الحق قدوسی

اخلاق نام ہے اچھی عادتوں، عمدہ خصلتوں کا۔ اخلاق کی تعلیم کے دو طریقے ہیں۔ ایک تو یہ کہ کسی کو نصیحت کی جائے اور کہا جائے کہ ایسا کرو اور ایسا نہ کرو۔ یہ چیز تمھارے لیے مفید ہے اور وہ چیز تم کو نقصان پہنچانے والی ہے۔ دوسرا طریقہ یہ ہے کہ نمونہ اور مثال بن کر لوگوں کے سامنے اپنے آپ کو پیش کیا جائے۔ یہ طریقہ پہلے سے زیادہ مفید اور اثر ڈالنے والا ہے۔ چناں چہ ہمارے رسولِؐ پاک نے دونوں طریقوں سے کام لیا اور اپنے فرمان اور عمل کے وہ نمونے پیش فرمائے ہیں کہ جن سے ہم اپنی آخرت اور دنیا دونوں کو سنوار سکتے ہیں۔ رسولِؐ پاک کی شان قرآن شریف میں اس طرح بیان کی گئی ہے:

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللَّهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ : بے شک رسولؐ اللہ کی ذات میں تمھارے لیے اچھے نمونے ہیں۔

دوسری جگہ ارشاد ہے:

اِنَّكَ لَعَلٰى خُلُقٍ عَظِيمٍ : بے شک آپؐ بڑے اخلاق پر ہیں۔

ایک آدمی نے رسولِؐ پاک سے پوچھا کہ اللہ نے جو کچھ انسان کو دیا ہے ان میں سب سے اچھی کیا چیز ہے؟ آپ نے فرمایا، "اچھی عادتیں۔"

حیا و شرم بھی مسلمان کا ایک بڑا وصف ہے اور ایمان کی نشانی ہے۔ رسولِؐ پاک نے فرمایا، "حیا اور ایمان دونوں چیزیں ملی ہوئی ہیں، جب ان میں سے ایک کو اُٹھایا جاتا ہے تو دوسری خود بخود اُٹھ جاتی ہے۔"

حضرت ابو سعید خدریؓ فرماتے ہیں کہ اگر آپؐ کو کوئی بات بُری معلوم ہوتی تو آپؐ زبان سے کچھ نہیں فرماتے بلکہ ہم آپؐ کے چہرۂ مبارک سے یہ اندازہ کر لیتے کہ یہ بات

آپ کو بھلی نہیں معلوم ہوئی۔

حضرت عائشہ بیان فرماتی ہیں کہ رسولِ پاک عورتوں سے صرف زبانی اقرار لے کر بیعت کرتے تھے۔ ان کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں نہ لیتے تھے۔ اور نہ آپ نے کبھی کسی ایسی عورت کو چھوا جو آپ کے نکاح میں نہ ہو۔

بہادری اور دلیری بھی آدمی کا بڑا جوہر ہے۔ رسولِ پاک سب سے زیادہ بہادر اور دلیر تھے۔

حضرت علیؓ بیان فرماتے ہیں کہ بدر کے میدان میں جب گھمسان کی لڑائی ہوئی تو ہم رسولِ پاک کی ہی آڑ میں آ کر پناہ لیتے تھے۔ حضرت براء بن عازبؓ بیان فرماتے ہیں، "ہم میں سب سے بہادر وہ سمجھا جاتا جو لڑائی کے میدان میں رسولِ پاک کے ساتھ جما رہتا۔"

مردانہ ورزشوں اور نشانے بازی کا آپؐ لوگوں کو شوق دلاتے تھے۔ نشانے بازی کے لیے آپؐ لوگوں کو دو حصّوں میں بانٹ دیا کرتے۔ ایک دفعہ لوگ دو جماعتیں بنا کر نشانہ بازی کی مشق کر رہے تھے کہ اتنے میں رسولِ پاک تشریف لے آئے۔ آپؐ نے فرمایا، "تیر چلاؤ۔ میں اس جماعت کے ساتھ ہوں۔" یہ سُن کر دوسری جماعت نے کہا، "جب اس جماعت میں رسولِ پاک شامل ہیں تو ہم اس جماعت کے مقابلے میں کیسے تیر چلا سکتے ہیں۔" رسولِ پاک نے فرمایا، "تیر چلاؤ، میں سب کے ساتھ ہوں۔"

گھُڑ دوڑ بھی رسولِ پاک کے حکم سے کرائی جاتی تھی۔ لمبی دوڑ پانچ یا چھے میل کی اور چھوٹی دوڑ ایک میل کی ہوتی تھی۔

رسولِ پاک سب سے زیادہ انکسار والے تھے۔ آپؐ کو غرور و تکبّر سے نفرت تھی۔ آپؐ بیماروں کی مزاج پُرسی کرتے، جنازوں میں شرکت فرماتے، غلاموں کی دعوت قبول فرماتے اور اپنے سارے کام خود ہی کر لیتے تھے۔ مسکینوں کے ساتھ بیٹھنے اور ان کے ساتھ کھانے سے آپؐ کو پرہیز نہ تھا۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ بیان فرماتے ہیں کہ رسولِ پاک نے فرمایا، "جس کے دل میں رائی کے دانے کے برابر تکبّر ہو گا وہ جنّت میں نہ جا سکے گا۔"

حضرت عائشہ سے کسی نے پوچھا کہ رسولِ پاک گھر میں کیا کرتے تھے؟ آپ نے جواب دیا کہ رسولِ پاک گھر کے کاموں میں گھر والوں کا ہاتھ بٹاتے تھے۔

رسول پاکؐ اللہ کی مخلوق پر بے حد شفقت اور مہربانی فرماتے تھے۔ غریبوں، مسکینوں غلاموں، یتیموں، بیواؤں یہاں تک کہ حیوانات کے ساتھ بھی آپؐ کو ہمدردی تھی۔ آپؐ ساری دنیا کے لیے رحمت بنا کر بھیجے گئے تھے۔ قرآن شریف میں آپؐ کو رؤف و رحیم کہا گیا ہے جس کے معنی بہت ہی مہربان اور بہت ہی رحیم کے ہیں۔

حضرت انسؓ بیان فرماتے ہیں کہ میں نے دس برس تک رسولؐ پاک کی خدمت کی۔ مجھے کبھی کسی بات پر رسولؐ پاک نے اُف تک نہیں کیا۔

حضرت عائشہ بیان فرماتی ہیں کہ اگر آپؐ پر ظلم ہوتا تو آپ اپنا بدلا کسی سے نہ لیتے۔ رسول پاکؐ نے حضرت عثمانؓ بن مظعون کی وفات کے وقت اُن کی پیشانی کو چوما۔ اس حال میں کہ آپؐ کی آنکھوں سے آنسو بہ رہے تھے۔ رسول پاکؐ فرمایا کرتے تھے کہ میں نماز شروع کرتا ہوں اور ارادہ ہوتا ہے کہ دیر میں ختم کروں گا مگر صف سے کسی بچّے کے رونے کی آواز آتی ہے تو مختصر کر دیتا ہوں کہ اس کی ماں کو تکلیف ہوتی ہوگی۔

رسول پاکؐ نے جانوروں کو آپس میں لڑانے اور تیر کا نشانہ بنانے سے بالکل منع فرما دیا تھا۔

رسولؐ پاک نے ایک دفعہ راستے میں ایک اونٹ دیکھا جس کی پیٹھ اور پیٹ بھوک کی زیادتی کی وجہ سے ایک ہو گئے تھے۔ آپؐ نے فرمایا، "ان بے زبانوں کے حق میں اللہ سے ڈرو۔"

ایک دفعہ ابو مسعود انصاریؓ اپنے غلام کو مار رہے تھے۔ پیچھے سے آواز آئی، "جس قدر تم کو اس غلام پر اختیار ہے اللہ کو اس سے بہت زیادہ تم پر اختیار ہے۔" حضرت ابو مسعودؓ نے پیچھے مُڑ کر دیکھا تو یہ کہنے والے رسولؐ پاک تھے۔ انھوں نے کہا، "یا رسولؐ اللہ! میں نے اس غلام کو آزاد کیا۔" فرمایا، "اگر تم ایسا نہ کرتے تو دوزخ کی آگ تم کو چھو لیتی۔"

رسولؐ پاک کا برتاؤ امیر و غریب، چھوٹے اور بڑے، غلام اور آقا سب کے ساتھ برابر تھا۔ حضرت صہیبؓ و سلمانؓ و بلالؓ جو ایک زمانے میں غلام رہ چکے تھے آپؐ کے نزدیک وہ کسی طرح قریش کے بڑے سرداروں سے کم رتبہ نہ تھے۔ مدینہ منورہ میں جب مسجد بنائی جا رہی تھی تو آپؐ بھی دوسرے صحابہ کی طرح اینٹیں اُٹھا اُٹھا کر لاتے۔ آپؐ کے صحابہؓ نے عرض کیا، "آپؐ کیوں تکلیف فرماتے ہیں، ہم یہ سب کام کر لیں گے۔" مگر آپؐ نہ مانے اور

سب کی طرح آپؐ بھی کام کرنے والوں میں تھے۔
ایک سفر میں رسولِ پاکؐ کے صحابہؓ نے کھانا پکانے کا انتظام کیا اور ہر ایک نے ایک ایک کام بانٹ لیا۔ رسولِ پاکؐ بھی ساتھ تھے۔
آپؐ نے اپنے ذمّے جنگل سے لکڑی لانے کا کام لیا۔ صحابہؓ نے عرض کیا کہ ہم سب کام کر لیں گے، آپؐ تکلیف نہ فرمائیے۔ مگر آپؐ نہ مانے۔ اور فرمایا: "مجھے یہ اچھا نہیں معلوم ہوتا کہ میں تم میں اور اپنے میں کوئی فرق کروں۔"
رسولِ پاک نے غلاموں کے بارے میں فرمایا: "یہ تمھارے بھائی ہیں۔ جو خود کھاتے ہو ان کو بھی کھلاؤ اور جو خود پہنتے ہو ان کو بھی پہناؤ۔"
آپؐ برتاؤ میں امیر و غریب کا خیال کبھی نہ کرتے تھے بلکہ غریبوں کے حال پر آپؐ کی توجہ زیادہ تھی۔ آپؐ اُن کے ساتھ بیٹھتے، ان کے ساتھ بے حد ہمدردی فرماتے تھے۔
رسولِ پاکؐ اپنے لیے دُعا فرماتے:
"اے اللہ! مجھے مسکینوں کی طرح زندہ رکھ، مسکینوں کی طرح دنیا سے اُٹھا اور مسکینوں کی جماعت میں میرا حشر فرما۔"
عورتیں دنیا میں ہمیشہ ذلیل سمجھی جاتی تھیں مگر رسولِ پاکؐ نے اُن کو حقوق دیے اور عزّت میں اُن کو مردوں کے برابر جگہ دی۔ آپؐ نے فرمایا: "تم میں بہترین وہ ہے جو اپنی بیویوں کے ساتھ بہتر ہے۔"
رسولِ پاکؐ کے پاس چوں کہ مردوں کا ہجوم رہتا تھا۔ اور عورتوں کو وعظ و نصیحت سننے اور مسئلے مسائل پوچھنے کا موقع نہ ملتا تھا، اس لیے عورتوں نے آپؐ سے عرض کیا کہ ایک دن ہمارے لیے وعظ و نصیحت و مسئلے مسائل کے لیے مقرر فرمایا جائے۔ آپؐ نے ان کی درخواست کو قبول فرما لیا اور ان کے لیے وعظ و نصیحت کا ایک دن مقرر فرما دیا۔

نونہال ادیب کے لیے جو نونہال مضامین اور کہانیاں بھیجتے ہیں اُنھیں چاہیے کہ مضمون یا کہانی مختصر لکھیں تاکہ جلد شائع ہو سکے۔ کوئی بھی تحریر صفحے کے ایک طرف، حاشیہ اور ایک سطر چھوڑ کر لکھیں اور آخر میں اپنا نام اور مکمل پتا صاف اور خوشخط لکھیں۔

تحفے

تکلیف

مرسلہ: میر حسن لاشاری، ٹھل

مسلمان آپس میں ایک دوسرے پر رحم کرتے ہیں، ایک دوسرے کے ساتھ تعلق میں، ایک دوسرے پر مہربانی کرتے میں، ایک جسم کی طرح ہیں۔ ایک عضو کی تکلیف سے سارے اعضا بے چین ہو جاتے ہیں۔

مثلاً ہاتھ میں زخم ہو جائے تو پھر کسی عضو کو بھی نیند نہیں آتی، سب کو جاگنا پڑتا ہے۔ اس سے بڑھ کر یہ کہ اس کی اکڑاہٹ سے سارے بدن کو بخار ہو جاتا ہے۔

اس طرح ایک مسلمان کی تکلیف سے سب کو بے چین ہونا چاہیے۔

عورت

مرسلہ: شہلا نورین، جہلم

- میں تمھاری غیرت ہوں تم میری قسم کھا سکتے ہو۔
- میں وہ بہن ہوں جس کی پکار نے دمشق کے ایوانوں میں لرزہ طاری کر دیا۔
- محمد بن قاسم کی تلوار کو میں نے بے نیام کیا۔
- سندھ میری خاطر فتح ہوا۔
- میں وہ ماں ہوں جس نے محمود غزنوی کو دودھ پلایا۔
- سومنات کے بُت کو توڑنے والے مجاہدوں کو میں نے لوریاں دیں۔
- میں وہ بیٹی ہوں جس کی رگوں میں تیمور کا خون ہے۔
- لال قلعہ میرے لیے تعمیر ہوا۔
- میں نے اپنی زمین پر صدیوں تیری فتح و نصرت کے گیت گائے ہیں۔

اے قوم! دیکھ، میں کون ہوں......،

— خاک و خون

انمول موتی

مرسلہ: حمیرا ناز، سکھر

- انسان الفاظ سے نہیں اپنی خوش اخلاقی سے دوسروں کا دل موہ لیتا ہے۔
- خوش کلامی ایک ایسی طاقت ہے جو صداقت کو الفاظ کا جامہ پہناتی ہے۔

● دبے قدموں آنے والی مسکراہٹ نرم جھونکے کی طرح گزرجاتی ہے جو لمحے بھر میں زندگی کو بدل دیتی ہے۔

● علم کے پیالے کو اپنے ہونٹوں سے لگالو۔ علم کا جو گھونٹ بھی تمھارے حلق سے اُترے گا تمھارے دل و دماغ کو روشن کرتا جائے گا۔ یہی وہ روشنی ہوگی جو تمھیں تنگ اور مشکل راستوں سے گزار کر منزلِ مقصود تک پہنچاتی ہے۔

بادشاہت

مرسلہ: سید اصغر علی، لاڑکانہ

خلیفہ ہارون رشید کی ملکہ زبیدہ ایک بار "رقہ" گئیں تو دیکھا کہ ایک درویش کے پاس ہزاروں افراد کا ہجوم ہے جو اس کے سامنے بچھے جاتے تھے۔ انھوں نے درویش کے بارے میں دریافت کیا تو بتایا گیا کہ اپنے عہدے کے بہت بڑے فقیہ اور محدث حضرت عبداللہ ابنِ مبارکؒ ہیں۔ ملکہ زبیدہ کہنے لگیں، "بادشاہت درحقیقت یہ ہے کہ لوگ عزّت و احترام سے ٹوٹے پڑتے ہیں۔ ہارون کی بھی کوئی حکومت ہے کہ سپاہیوں کی اجازت کے بغیر کوئی حاضر نہیں ہوتا۔"

دس میٹھے فقرے

مرسلہ: مبشر علی زیدی، کراچی

- آپ کتنے اچھے ہیں۔
- کھانا حاضر ہے۔
- چیک تیار ہے۔
- اس پر آپ کا حق ہے۔
- غلطی میری ہے۔
- باقی ریزگاری اپنے ہی پاس رکھو۔
- لوگوں کو تم پر کتنا ناز ہے۔
- آپ کی عنایت کا شکریہ۔
- ترقی مبارک ہو۔
- آپ کی تحریر "نونہال" میں چھپ گئی۔

چمک دار نگینہ

مرسلہ: محمد اکرم سیال عاجز، دکیل والا

انسانی زندگی مانندِ حباب ہے۔ پَل میں اُبھری پَل میں ڈوبی۔ اس مختصر عرصے میں انسان چمک دار نگینہ بھی بن سکتا ہے اور بے نُور کانچ کا ٹکڑا بھی۔ وہی بارش کا قطرہ جو سیپ میں بند رہنے سے آب دار موتی بن کر نکلتا ہے، دلدل میں گرے تو کیچڑ بن سکتا ہے۔

نہیں

مرسلہ: روبینہ فرید، کراچی

میری ایک چھوٹی بچّی ہر بات کا جواب نہیں میں دیتی ہے۔ ایک دن میں غلطی سے اپنی موٹر سے ملتی جُلتی دوسری موٹر کھولنے کی کوشش کر رہا تھا۔ نزدیک کھڑے ہوئے سپاہی کو مجھ پر شک ہوا۔ پوچھنے لگا، "یہ کس کی گاڑی ہے؟"

کار کو غور سے دیکھا تو معلوم ہوا کہ یہ میری گاڑی

نہیں اور جب میں اپنی گاڑی کی طرف چل پڑا، تو اس کو پختہ یقین ہو گیا کہ میں موٹر چور ہوں۔ وہ میرے پاس آ کر میری کار کا ثبوت مانگنے لگا۔ میں ثبوت کہاں سے لاتا۔ جب اس کی نظر میری بچی پر پڑی تو اس نے کہا، "شاید یہ تمھاری بچی ہے اور بچے چوں کہ کبھی جھوٹ نہیں بولتے، لہٰذا میں اسی سے پوچھتا ہوں۔"

میرے دل میں خوف پیدا ہوا کہ بچی کیا کہے گی، مگر کانسٹیبل نے پوچھا، "کیا یہ گاڑی آپ کے ابو کی ہے؟"

ظاہر ہے بچی نے کہا، "نہیں۔" کانسٹیبل نے اپنی مونچھوں پر ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا، "ہاں، پکڑ لیا نا۔" اچانک میرے ذہن میں ایک خیال آیا۔ میں نے کانسٹیبل سے کہا کہ میں بھی بچی سے ایک سوال پوچھتا ہوں۔ کانسٹیبل کی طرف اشارہ کرتے ہوئے میں نے بچی سے پوچھا، "بتاؤ بیٹی! کیا یہ آدمی ہے؟" بچی نے جواب دیا، "نہیں۔" یوں میری جان چھوٹ گئی۔

—— ڈاکٹر احمد علی

آغاز

مرسلہ: نگہت بیگم، کراچی

اُٹھ کہ اب بزمِ جہاں کا اور ہی انداز ہے
مشرق و مغرب میں تیرے دور کا آغاز ہے

—— علامہ اقبال

■ ■ ■

زمین کی خوش بُو

مرسلہ: بدر منیزہ، کراچی

آج کے اس جدید دور اور فیشن ایبل معاشرے میں لوگ سوئس، مس، میڈورا اور چارلی جیسی مہکتی ہوئی خوش بوؤں کو پسند کرتے ہیں۔ لیکن میں ان مصنوعی خوش بوؤں کو پسند نہیں کرتی۔ میں جب اپنے کچے آنگن میں پانی کا چھڑکاؤ کرتی ہوں تو اپنے پیارے وطن کی اس پیاری زمین سے اُٹھتی ہوئی کچی اور سوندھی مٹی کی بھینی بھینی خوش بُو میرے وجود کو سرشار کر دیتی ہے۔ اسی مہک اور اسی بھینی خوش بُو سے مجھے پیار ہے۔

سنہری کرنیں

مرسلہ: زبیدہ ننھے خاں، جھڈو سندھ

■ تمھارا دوست سو بار بھی تم سے ناراض ہو تو اُسے سو بار مناؤ، کیوں کہ موتیوں کی مالا جتنی بار ٹوٹتی ہے موتی اتنی ہی بار پروئے جاتے ہیں۔

■ نیک نامی انسان کا زیور ہے اور روح میں بسی ہوئی خوش بُو۔

■ محبّت پھولوں کی طرح نرم و نازک ہوتی ہے مگر یہ انسان میں پہاڑوں سے ٹکرانے کا حوصلہ دیتی ہے بشرطے کہ محبت سچّی ہو۔

■ ذہن کی سطح پر بکھرے الفاظ جملے کی صورت میں یک جا ہو کر اقوالِ زرّیں بن جاتے ہیں۔

■ دنیا دُکھوں کی وادی ہے جس میں کہیں کہیں خوش بُو کے پھول بھی ہیں اور اشکوں کے بحرِ بیکراں بھی۔

روزنامہ ردّی

مرسلہ: ریحانہ حفیظ، مٹیاری

"یہ کون سا اخبار ہے؟"

یہ روزنامہ ردّی ہے۔ اس کی نظر میں ساری جماعتیں ردّی ہیں۔ سارے نظام ردّی ہیں۔ سارے کام ردّی ہیں۔ سوائے ردّی کے کام کے۔ اس کے مضمون بھی ردّی ہوتے ہیں۔ اس لیے یہ ردّی والوں میں مشہور ہے۔ لوگ منوں کے حساب سے خریدتے ہیں اور سیروں کے حساب سے بیچتے ہیں۔ اس کا کاغذ مضبوط ہے، لفافے آسانی سے نہیں پھٹتے چاہے جلدی ڈالو یا نمک۔ ــــ ابنِ انشا

ایمپائر

مرسلہ: کلیم حسین بابر، راول پنڈی

ایک صاحب باغ میں بیٹھے اونگھ رہے تھے۔ اچانک ایک بچّے نے انھیں جگا کر ایک رُپیہ اُن کے ہاتھ پر رکھ دیا۔ وہ صاحب پریشان ہو کر بولے، "تم مجھے رُپیہ کیوں دے رہے ہو؟" بچّے نے معصومیت سے جواب دیا:

"آپ ہی تو اُنگلی اُٹھا کر ایک رُپے کا اشارہ کر رہے تھے۔"

اس پر وہ صاحب شرمندہ ہو کر بولے:

"یہ تو میری عادت ہے، کیوں کہ میں کرکٹ کا ایمپائر ہوں۔"

اندازِ بیاں اور.....

مرسلہ، نامعلوم

ڈیئر ریڈ ہاف سلفر!

تمھارا خط ملے X دن ہوئے ہیں۔ پڑھا تو کلورین کا مزہ آگیا۔ اور آنکھوں سے مارے خوشی کے امونیا جاری ہو گیا۔ جس کی وجہ سے میرا ٹمپریچر بڑھ گیا اور میرا دل دو سو وولٹ کے بلب کی طرح اسپارک کرنے لگا۔ میرے خون کے ہر کیپسول میں تم بیکٹریا بن کر دوڑ رہے ہو۔ پوزیٹیو اور نیگیٹیو چارج کی مانند ہمیں کوئی ایلیمنٹ جُدا نہیں کر سکتا۔ ہماری محبّت تھرڈ لا آف نیوٹن کی طرح مضبوط رہے گی۔

فقط

تمھارا آیوڈین

عظمت

مرسلہ: عالمگیر آفریدی، وزیر ڈھنڈ جمرود

اگر آپ عظیم بننا چاہتے ہیں تو سب سے عظیم ہستی۔۔۔ سب سے عظیم طاقت سے اپنا رشتہ مضبوط بنائیے۔ اس کا قُرب حاصل کیجیے، اس سے قریب تر ہو جائیے۔ انسان کی بیش تر طاقتیں اسی بات پر منحصر ہیں کہ وہ اللہ سے کتنا نزدیک ہے۔ اس نے اس سے کتنا رشتہ قائم کیا ہے۔ جتنا وہ اللہ سے قُرب بڑھائے گا، اتنی ہی اس کی صلاحیتیں بڑھتی جائیں گی اور انسان کی زندگی عظیم ہو گی۔

صفائی

عاصمہ گل عصمی

رہو صاف یہ حکمِ قرآن ہے ۔ صفائی مسلماں کی پہچان ہے

صفائی یہ حکمِ رسولؐ خدا ۔ مرے ساتھیو! تصفِ ایمان ہے

صفائی دلاتی ہے اونچا مقام ۔ معزّز صفائی سے انسان ہے

کرے صاف بندے کو اللہ پسند ۔ صفائی تمیزِ مسلمان ہے

بچاتی ہے ہم کو ہر اک روگ سے ۔ صفائی کا کتنا یہ احسان ہے

غلاظت سے بچ کر رہو تم سدا ۔ رسولؐ خدا کا یہ فرمان ہے

عبادت بجز اس کے جائز نہیں ۔ صفائی ذریعۂ عرفان ہے

وہی کام یابِ جہاں ہے جسے ۔ خیالِ صفائی ہر اِک آن ہے

صفائی کو ہاتھوں سے جانے نہ دو ۔ صفائی سے قائم سبھی شان ہے

صفائی کا رکھتا نہیں جو خیال ۔ وہ جاہل ہے، احمق ہے، نادان ہے

صفائی سے انساں کے جوہر کھُلیں ۔ صفائی کمالات کی کان ہے

بناتی ہے انساں کو یہ پارسا ۔ صفائی پہ ہر چیز قربان ہے

معطّر جو عصمی کرے روح کو
صفائی اِک ایسا گلستان ہے

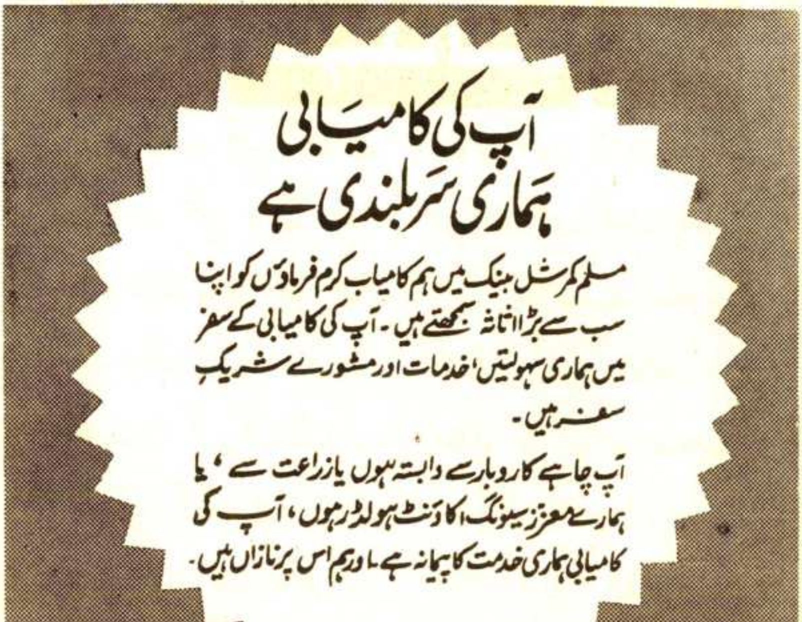

NAB-84 PID(1) MCB-15

سائنسی کہانی

خطرناک ایجاد

تارا یوسف، کراچی

نیل رابرٹ ایک مشہور سائنس داں تھا۔ اُس نے اپنے ملک کے لیے بے شمار اہم اور مفید چیزیں ایجاد کی تھیں۔ اسی لیے وہ بڑی عزّت اور احترام کی نظر سے دیکھا جاتا تھا۔ آج کل وہ اور اس کا اسسٹنٹ فوسٹر ایک بڑی اہم اور کار آمد چیز ایجاد کرنے میں مصروف تھے۔ وہ ایک ایسا طاقت ور فولادی بندر بنانا چاہتے تھے جس کو کوئی شکست نہ دے سکے۔ وہ اس بندر کو اپنے ملک کے صدر کو تحفے میں پیش کرنا چاہتے تھے۔ اس کے لیے سرمایہ حکومت نے فراہم کیا تھا۔ اس فولادی بندر کے مکمل ہو جانے کے بعد اس کو ایک اہم اور خفیہ مقام پر لگانا تھا۔ یہ جگہ زمین دوز تھی۔ یہاں پر اس ملک اور دوسرے ملکوں کی اہم اور خاص فائلیں، کچھ خفیہ آلات اور مختلف قسموں کی مشینیں اور سامان وغیرہ تھا۔ یہاں پر ہنگامی حالات میں ایسے اجلاس بھی منعقد ہوتے

تھے جن سے عوام کو بے خبر رکھنا مقصود ہوتا۔

چوں کہ نیل اس فولادی بندر کی شکل اصلی بندر کے مطابق بنانا چاہتا تھا، اس لیے اس نے افریقہ کے ایک خوف ناک اور گھنے جنگل سے ایک لمبے چوڑے بندر کو حاصل کیا تاکہ اس کی کھال کو روبوٹ یعنی مشینی بندر پر چڑھا دیا جائے۔ چناں چہ ایک مخصوص طیارے کے ذریعے وہ بندر اس کی تجربہ گاہ میں پہنچا دیا گیا جہاں اس کو مار کر اس کی کھال نکالی گئی اور دواؤں سے اس کو مضبوط کر کے اسے اس خطرناک مشینی بندر پر چڑھا دیا گیا اب نیل اور فوسٹر دونوں اس کو کمپیوٹر کے اشاروں پر چلانے کی تیاری کر رہے تھے۔ اس بندر کے جسم پر سر سے پیر تک بجلی کے تاروں کا جال سا بچھا ہوا تھا۔ انھوں نے بندر کو جس جگہ رکھا تھا اس کے چاروں طرف کنکریٹ کی مضبوط دیوار کے علاوہ لوہے کے موٹے اور مضبوط جنگلے بھی لگے ہوئے تھے۔ کام ختم کرنے کے بعد اس میں نہایت طاقت ور کرنٹ دوڑا دیا جاتا تھا، کیوں کہ یہ بندر اب تکمیل کے آخری مرحلے میں تھا اور کسی وقت بھی جاگ سکتا تھا۔

رات کے نو بج چکے تھے، فوسٹر جا چکا تھا۔ نیل ہمیشہ نو بجے کے بعد کام ختم کر دیتا تھا، کیوں کہ وہ رات کا کھانا اور صبح کا ناشتا اپنے بچوں کے ساتھ کرتا تھا۔ وہ اپنے اس اصول پر سختی سے قائم تھا۔ آج وہ ابھی تک خلافِ معمول کام میں مصروف تھا۔ اسے نو بجنے کا احساس اس وقت ہوا جب تجربہ گاہ میں لگے ہوئے انٹرکام یعنی اندرونی ٹیلے فونی نظام پر اس کی بیوی کی آواز گونجی:

"پلیز نیل! اب کام بند کر دو۔ بچے کھانے پر تمھارا انتظار کر رہے ہیں۔" نیل نے چونک کر گھڑی پر نظر ڈالی۔ سوا نو بج چکے تھے۔ وہ اٹھ کھڑا ہوا۔ دونوں بچوں نے اسے دیکھ کر جلدی سے منھ پھلا لیا۔ نیل ان کی مصنوعی ناراضی دیکھ کر مسکرایا۔ اس نے پیار سے ان دونوں کو اپنے بازوؤں میں لے لیا۔

"بس، بچو اب کام ختم ہونے والا ہے۔ پھر ہم سب مل کر طویل چھٹیوں پر سیر و تفریح کے لیے جائیں گے۔ جب تک تمھاری چھٹیاں بھی ہو جائیں گی۔ ہاں بھئی، تم لوگ کس ملک میں گھومنا پسند کرو گے؟" بچوں سے پہلے نیل کی بیوی جولیا بے اختیار بول پڑی، "کیوں نیل! ہم سوئٹزرلینڈ کیوں نہ گھومنے چلیں؟ سنا ہے کہ بہت خوب صورت ملک ہے۔" "مگر میں نے تو بچوں سے پوچھا تھا۔ تمھارا شمار بچوں میں کب سے ہونے لگا؟" نیل شوخی سے بولا تو جولیا بھی مسکرا دی۔ اس خوش گوار ماحول میں کھانا کھا کر سب سونے چلے گئے۔

اگلے دن نیل رابرٹ نے جیسے ہی ریموٹ کنٹرول کا بٹن دبایا فولادی بندر خوخیاتا ہوا بڑی تیزی سے اٹھ کھڑا ہوا۔ نیل اور فوسٹر دونوں فولادی جنگلے کے باہر کھڑے تھے۔ وہ دونوں اس بندر کی حرکتیں دو فیٹ لمبی اور ڈیڑھ فیٹ چوڑی روشن دان نما کھڑکی سے دیکھ رہے تھے۔ اس کھڑکی میں ایسا شیشہ لگا ہوا تھا جس پر بندوق کی گولی بھی اثر نہیں کر سکتی تھی۔ بندر حیران نظروں سے چاروں طرف دیکھ رہا تھا۔ نیل نے اپنے کانوں پر ایک بجلی کا آلہ لگا رکھا تھا اور سر پر ایک لوہے کا ہیلمٹ پہن رکھا تھا۔ اس کے منھ کے آگے ماؤتھ پیس بھی لگا ہوا تھا۔ نیل ایک بٹن دبا کر ماؤتھ پیس میں بندر کو کچھ ہدایات دینے لگا۔ بندر نے پہلے تو اِدھر اُدھر دیکھا پھر آہستہ آہستہ چلتا ہوا ربر کی گڑیا کے پاس آکر کھڑا ہو گیا۔ یہ گڑیا عام گڑیا سے مختلف تھی۔ اس کی لمبائی پانچ فیٹ تھی۔ بندر نے بڑی احتیاط اور نرمی سے گڑیا کو ہاتھ میں پکڑ لیا اور بڑے آرام سے دوسرے کونے میں لے جا کر رکھ دیا۔ نیل رابرٹ اور فوسٹر کی آنکھیں خوشی سے چمکنے لگیں۔ ان کا تجربہ کام یاب رہا تھا۔ اب بندر کھڑا ہو گیا تھا۔ نیل اس کو پھر ہدایات دینے لگا۔ اب بندر اس طرف جا رہا تھا جہاں لوہے کی چادر سے بنا ہوا ایک اور آزمائشی روبوٹ رکھا تھا، جس کا کنٹرول فوسٹر کے پاس تھا۔ نیل نے مرکزی کنٹرول کا ایک بٹن دبایا جس سے بندر کے چہرے کی حرکتوں سے زبردست غصّے کے آثار ظاہر ہونے لگے۔ فوسٹر نے نیل کے اشارے پر ایک سوئچ دبایا۔ اس آزمائشی روبوٹ کے چاروں طرف بجلی کی لہریں دوڑنے لگیں۔ مگر بندر برابر آگے بڑھتا رہا۔ آخر اس نے دونوں ہاتھ بڑھا کر اس آزمائشی روبوٹ کو جس کا وزن کئی ٹن تھا ایک ہلکے پھول کی طرح اٹھا لیا۔ بجلی اس کا کچھ نہ بگاڑ سکی۔ انھوں نے بندر کے اندر جو بجلی پروف آلہ فٹ کیا تھا وہ سو فی صد کام یاب رہا۔ اب وہ اس آزمائشی روبوٹ کو ربر کی طرح دونوں ہاتھوں سے دبا رہا تھا۔ آخر اس آزمائشی روبوٹ کا جوڑ جوڑ الگ ہو گیا۔ وہ ایسے پچک گیا جیسے گیس کے غبارے سے ہوا نکل جاتی ہے۔ نیل نے فوسٹر کو اشارہ کیا اور خود تھوڑا سا پیچھے ہٹ گیا۔ کھڑکی سے شیشہ ہٹ گیا تھا۔ اس کی جگہ لوہے کی سلاخیں نمودار ہو گئی تھیں۔ فوسٹر کے ہاتھ میں ایک جدید قسم کی مشین گن نظر آ رہی تھی۔ جیسے ہی نیل نے اشارہ کیا، مشین گن سے گولیاں تیزی سے برسنے لگیں۔ یہاں تک کہ مشین گن خالی ہو گئی۔ دونوں کے چہرے پر اطمینان کی لہر دوڑ گئی۔ گولیاں اس بندر کا کچھ نہ بگاڑ سکی تھیں۔ ابھی آخری مرحلہ باقی تھا اور یہی سب سے مشکل مرحلہ تھا۔ اس میں یا تو جان جاتی یا کام یابی مل جاتی۔

نیل نے اندر داخل ہونے سے پہلے فوسٹر کو ایک بار پھر یاد دلایا کہ اگر ذرا بھی خطرہ دیکھو تو لال سوئچ

دبا دینا۔ باقی سب سیٹ کر دیا گیا ہے۔ فوسٹر کے ماتھے پر پسینے کے قطرے نظر آ رہے تھے۔
جیسے ہی نیل رابرٹ اندر داخل ہوا خود کار دروازہ فوراً بند ہو گیا۔ بندر منھ سے عجیب و غریب آوازیں نکالتا ہوا نیل کی طرف بڑھنے لگا۔ فوسٹر کی آنکھیں آلے پر کپکپانے لگیں۔ خود نیل رابرٹ کی سانسیں بے ترتیب ہو رہی تھیں، مگر وہ ایک نڈر اور بے خوف آدمی تھا۔ جلد ہی اس نے اپنی حالت پر قابو پا لیا اور بندر سے ماؤتھ پیس پر کچھ کہنے لگا۔ بندر اس کے بالکل قریب آ کر رُک گیا۔ اس کی نظروں میں دوستانہ چمک تھی۔ نیل نے اپنا ہاتھ آگے بڑھایا۔ بندر نے محبت اور احتیاط سے اس کا ہاتھ تھام لیا۔ پندرہ بیس منٹ تک اسی محبت اور خلوص کا مظاہرہ ہوتا رہا۔ پھر نیل رابرٹ اپنی کامیابی پر مسرور باہر نکل آیا۔ فوسٹر اور نیل دونوں خوشی سے بے قابو ہو کر گلے لگ گئے۔ نیل کے لیے آج کا دن خوشیوں کی برات لے کر آیا تھا۔ نیل نے اپنی بیوی بچوں کے ساتھ مل کر جشن منایا۔
ایک ماہ تک تربیت دینے کے بعد نیل نے بندر کو اپنے ملک کے صدر کے حوالے کر دیا۔ اس نے صدر سے ہاتھ ملاتے ہوئے کہا، "سر! مجھے اُمید ہے کہ آپ اس فولادی بندر کو صرف اچھے مقصد کے لیے اور اچھے کاموں میں استعمال کریں گے۔ کوئی بھی ایجاد اس وقت تک تباہ کن اور ہولناک نہیں ہوتی جب تک اس کو استعمال کرنے والا دماغ غلط اور خطرناک سوچ کا مالک نہ ہو جائے۔" صدر کے ہونٹوں پر پُراسرار سی مسکراہٹ پھیل گئی۔ انھوں نے اپنے لہجے کو خوش گوار بناتے ہوئے کہا "آپ فکر نہ کریں مسٹر رابرٹ! ہم آپ کی اس ایجاد کو صرف اپنے ملک کی ترقی کے لیے استعمال کریں گے۔"
ایک ہفتے بعد نیل اپنے بیوی بچوں کے ساتھ سوئزرلینڈ روانہ ہو گیا، کیوں کہ اس نے اپنی بیوی بچوں سے وعدہ کیا تھا۔ ان لوگوں کو یہاں آئے ہوئے پندرہ دن ہو چکے تھے۔ نیل اپنے بیوی بچوں کے ساتھ گھوم پھر کر بہت اچھا وقت گزار رہا تھا۔ سب بے فکری سے سیر و تفریح میں مگن تھے۔
صبح کا وقت تھا۔ نیل ہوٹل کی بالکنی میں بیٹھا اخبار پڑھ رہا تھا۔ کبھی کبھی وہ اُچٹتی سی نظر ہوٹل کے نیچے خوب صورت لان پر بھی ڈال لیتا تھا جہاں اس کے ننھے بچے صبح کی تازہ اور خوش گوار ہوا میں چہل قدمی کر رہے تھے۔ ہر طرف دُھند چھائی ہوئی تھی۔ دور کی چیزیں صاف نظر نہیں آ رہی تھیں۔ ہوٹل چاروں طرف سے خوب صورت سبزے سے ڈھکے ہوئے پہاڑوں سے گھرا ہوا تھا۔ ان پہاڑوں کی چوٹیاں آسمان سے باتیں کرتی نظر آتی تھیں۔
نیل اس منظر سے لطف اندوز ہونے کے بعد دوبارہ اخبار پڑھنے لگا۔ اچانک ہی اخبار اس

کے ہاتھ سے چھوٹ کر گر پڑا۔ اس کے چہرے پر دُکھ، پریشانی اور افسوس کے ملے جلے احساسات نظر آنے لگے۔ اس نے کانپتے ہوئے ہاتھوں سے اخبار اُٹھایا اور دوبارہ اس خبر کو پڑھنے لگا۔ یہ خبر اس چھوٹے سے ملک کے بارے میں تھی جو ابھی ٹھیک طرح سے اپنے پیروں پر کھڑا بھی نہ ہو پایا تھا۔ اس ملک کے عوام اپنے ملک کی ترقی اور خوش حالی کے لیے سخت محنت اور جدّوجہد میں مصروف تھے۔ اس ملک میں ایک بندر نے تباہی مچادی تھی۔ اس نے ملک کی اہم سرکاری عمارتوں پر حملہ کر کے ان کی اینٹ سے اینٹ بجادی تھی۔ صدر کی قیام گاہ کو بھی سخت نقصان پہنچایا تھا۔ جب حفاظتی عملے نے اس پر گولیاں چلائیں تو اس پر کچھ اثر نہ ہوا۔ بہت سے لوگ تو اس بندر کو دیکھتے ہی بے ہوش ہو گئے۔ اس نے سیکڑوں لوگوں کو اپنے پیروں تلے کُچل ڈالا تھا۔ بعد میں حفاظتی عملہ بھی خوف زدہ ہو کر بھاگ گیا۔ اس کے نیچے ایک چھوٹی سی خبر بھی تھی۔ اس افراتفری میں ایک اہم فائل بھی کہیں کھو گئی تھی، جس میں حال ہی میں اس ملک اور ایک بڑے ملک کے صدر کے درمیان کئی خاص معاہدوں پر دستخط ہوئے تھے۔ نیل کے دماغ میں خطرے کی گھنٹی بجنے لگی۔ ان دونوں خبروں میں ضرور کوئی نہ کوئی تعلق تھا۔ یہ ایک ہی سلسلے کی دو کڑیاں لگ رہی تھیں۔ نیل پریشانی میں اپنے سر کو پکڑ کر بیٹھا تھا۔ اس کا بیٹا ڈیوڈ کافی دیر سے کھڑا ہوا اپنے باپ کو دیکھ رہا تھا، اچانک بولا، "پاپا! کیا بات ہے؟" نیل نے چونک کر ڈیوڈ کو دیکھا اور اخبار میز پر رکھ دیا۔ "بس بیٹے! کوئی خاص بات نہیں ہے۔" ڈیوڈ سمجھ گیا کہ پاپا اپنی پریشانی کی وجہ بتانا نہیں چاہتے۔ وہ کرسی گھسیٹ کر بیٹھ گیا اور اخبار پڑھنے لگا۔ اتفاق سے اس کی نظر بھی سب سے پہلے بندر والی خبر پر پڑی۔ وہ چونک کر بولا، "ارے پاپا! دیکھیے تو فلمی کنگ کانگ حقیقی دنیا میں پہنچ گیا۔"

"نہیں بیٹے یہ وہ نہیں ہے۔"

"پاپا آپ ٹھیک کہہ رہے ہیں۔" اس نے آخری لائنوں پر نظر ڈالتے ہوئے کہا، جن میں لکھا تھا کہ بندر پر کسی بھی قسم کے ہتھیار کا اثر نہیں ہوا۔

"پتا نہیں، یہ سائنس داں ایسی خطرناک چیزیں کیوں بناتے ہیں جن سے انسانوں کو خطرہ ہو اور دنیا میں تباہی پھیلے۔ اب یقیناً یہ کسی بڑے ملک کی ایجاد ہے اور اس نے اس چھوٹے ملک کو اپنا غلام بنا لینے کے لیے یہ تباہی پھیلائی ہے۔ اس افراتفری میں فائل چُرانے کا موقع بھی آسانی سے مل گیا۔ ملک بھی افراتفری اور خوف کا شکار ہو گیا۔" نیل چونک پڑا۔ اس کے ذہین بیٹے نے کتنی آسانی سے

سارا معاملہ سمجھ لیا تھا۔ اس نے خوش ہو کر ڈیوڈ کو بھینچ لیا۔
"ڈیوڈ! تم یقیناً بڑے ہو کر اپنے خاندان کا نام روشن کرو گے۔ اب میں تم سے کچھ نہیں چھپاؤں گا۔ یہ بندر میں نے بنایا ہے۔" ڈیوڈ بے چینی سے اُٹھ کھڑا ہوا اور بولا، "نہیں پاپا! آپ نے ہمیشہ انسانیت کی خدمت کی ہے۔ اس کی ترقی اور بھلائی کے لیے مفید اور اچھی چیزیں ایجاد کی ہیں۔ مگر یہ....."
"پہلے میری پوری بات سُن لو۔" نیل نے اس کی بات کاٹ دی۔ ڈیوڈ بے دلی سے بیٹھ گیا۔ اس کے چہرے پر ابھی تک بے یقینی کی کیفیت تھی۔ نیل رابرٹ نے اسے شروع سے آخر تک سارا قصہ سنایا۔
"اب مجھے پکّا یقین ہو گیا ہے کہ صدر کی نیت میں شروع ہی سے فتور تھا اور میں نے فولادی بندر اس کی ہدایت پر بنا کر ایک بڑی غلطی کی ہے۔ لیکن میں اسے انسانی جانوں سے کھیلنے نہیں دوں گا۔ میں اپنی ایجاد کو تباہی اور بربادی کا ذریعہ نہیں بننے دوں گا۔"
"پاپا! آپ کس طرح اسے روکیں گے؟"
"میں اس بندر کو خود اپنے ہاتھوں تباہ کر دوں گا۔"
"کیا آپ آسانی سے ایسا کر سکتے ہیں؟"
"نیل نے تفصیل سے بتاتے ہوئے کہا، "نہیں، اس میں کافی مشکلات پیش آئیں گی، کیوں کہ اس بندر کو کنٹرول کرنے والے سبھی آلات میں نے ان کے حوالے کر دیے تھے۔ صرف اس بندر کو تباہ کرنے والا آلہ احتیاطاً اپنے پاس رکھ لیا تھا۔ لیکن یہ آلہ بھی بجلی کے آلے کے بغیر کام نہیں کرے گا۔ اس کو کسی کھلی اور وسیع جگہ میں شہر سے دور لے جانا پڑے گا جہاں انسانی بستیاں نہ ہوں۔ بندر کی تباہی سے خاصا علاقہ اس کی زد میں آ سکتا ہے۔ ویسے بھی صدر کے عزائم کافی خطرناک نظر آتے ہیں۔ مجھے جلد ہی کچھ کرنا پڑے گا۔"
"پاپا! میں آپ کی کچھ مدد کر سکتا ہوں؟" ڈیوڈ کے لہجے میں اشتیاق تھا۔ "ہاں! اس کام میں مجھے تمھاری مدد کی ضرورت پڑے گی۔ یہ راز میرے اور تمھارے درمیان ہی رہنا چاہیے۔ احتیاطاً میں فوسٹر کو بھی اس کام میں شامل نہیں کر رہا کہ کہیں یہ راز کُھل نہ جائے اور ہم صدر کے زیرِ عتاب نہ آجائیں۔"
"تو پھر پاپا! ہمیں جلد سے جلد گھر پہنچنا چاہیے۔"
"ہاں بیٹے میں بھی یہی کہنا چاہتا تھا۔ مجھے خوشی ہے کہ تمھیں بھی اس چیز کا احساس ہے کہ ہمیں انسانوں سے محبت کرنی چاہیے۔ اللہ نے دنیا اسی لیے بنائی ہے کہ اس میں سب لوگوں کو زندہ رہنے

کا حق ہے۔ نہ ہم کسی انسان کے غلام ہیں اور نہ ہمیں کسی کو اپنا غلام بنانا چاہیے۔ ہم صرف اللہ کے غلام ہیں۔"

دوسرے دن یہ لوگ اپنے ملک واپس آ گئے۔ جولیا اب تک حیران تھی کہ اچانک ڈیوڈ نے واپسی کی رٹ کیوں لگا دی۔ حال آنکہ ڈیوڈ نے اپنی ممّی کو یہ کہہ کر مطمئن کرنے کی کوشش کی تھی کہ اس کے عزیز دوست کی سال گرہ کی تقریب ہونے والی ہے جس میں اس نے شرکت کا وعدہ کر رکھا ہے۔

نیل رابرٹ نے گھر آتے ہی جولیا کو سختی سے تنبیہ کر دی کہ میں تجربہ گاہ میں نہایت اہم کام میں مصروف ہوں۔ مجھے ذرا بھی پریشان نہ کیا جائے۔ نیل کو تجربہ گاہ میں کام کرتے ہوئے ایک مہینہ گزر چکا تھا۔ اس نے پرانے فارمولے پر کام کرتے ہوئے دوبارہ طاقت ور قسم کا برقی آلہ جلد ہی بنا لیا تھا، مگر اس برقی آلے کا سگنل بندر کے دماغ تک نہیں پہنچ پا رہا تھا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ پہلے برقی آلے کے ذریعے سے بندر کو مسلسل ہدایات دی جا رہی تھیں۔ اس کو نئے ایٹمی پلانٹ کے سلسلے میں مصروف کر دیا گیا تھا۔ جسے سربراہِ مملکت کی ہدایت پر جلد سے جلد مکمل کرنا تھا۔ ڈیوڈ جو صرف ۱۵ سال کا بچہ تھا، نہایت ذمّے داری اور فرض شناسی کے ساتھ ایک قابل اور ہوشیار اسسٹنٹ کی طرح فرائض انجام دینے کی کوشش کر رہا تھا۔ اس کو اس دوران تجربہ گاہ سے متعلق کافی چیزوں کی معلومات حاصل ہو گئی تھیں۔ اس کے ساتھ ساتھ وہ زبردستی اپنے باپ کو وقت پر کھانا کھانے پر بھی مجبور کر دیتا تھا۔ ورنہ نیل کو تو اپنے کھانے پینے اور سونے تک کا ہوش نہ تھا۔ ان دنوں اس کا رابطہ باہر کی دنیا سے بالکل منقطع ہو کر رہ گیا تھا۔ جولیا بھی نیل اور ڈیوڈ کی اس مشترکہ زبردست مصروفیت سے کافی پریشان تھی۔ مگر وہ نیل کے ذاتی کاموں میں کبھی مداخلت نہیں کرتی تھی۔ وہ سمجھ گئی تھی کہ یہ لوگ اسی وجہ سے سوئٹزرلینڈ سے جلد واپس آئے ہیں۔ وہ یہ سمجھنے سے قاصر تھی کہ نیل تو اپنی کسی سائنسی ایجاد میں مصروف تھا، مگر ڈیوڈ کا وہاں کیا کام۔ ان دنوں نیل نے مشکل ہی سے چند گھنٹے آرام کیا ہو گا۔

آج نیل کا تھکن سے بہت برا حال تھا مگر صرف اپنی قوتِ ارادی کی وجہ سے وہ بندر سے رابطہ قائم کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔ برقی آلہ خاموش تھا۔ اس وقت رات کے تین بج رہے تھے۔ ڈیوڈ کی آنکھ کھل گئی تھی۔ وہ آج ضد کر کے تجربہ گاہ میں سو گیا تھا۔ "پاپا! آپ تھوڑی دیر آرام کریں۔ رابطہ تو ویسے بھی قائم نہیں ہو رہا۔ اگر آپ آرام نہیں کریں گے تو بیمار ہو جائیں گے۔ اس طرح کام اور بگڑ جائے گا۔" ڈیوڈ نے اپنے باپ کو تشویش زدہ نظروں سے دیکھتے ہوئے کہا۔ نیل کی آنکھیں

سُرخ ہو رہی تھیں۔ اس کے بال اُلجھے ہوئے تھے۔ چہرے پر تھکن اور مایوسی طاری تھی۔ اس کا دل تو نہیں چاہ رہا تھا، مگر تھکن سے اس کا سارا جسم ٹوٹ رہا تھا۔ اس نے برقی آلہ اُتارا۔ سارے سوئچ بند کیے اور ایک طرف کونے میں بچھے ہوئے بستر پر لیٹ گیا۔ فوراً ہی اس کی آنکھ لگ گئی۔

ابھی اس کو سوئے ہوئے مشکل سے پون گھنٹہ ہوا ہو گا کہ اس کو ایسا محسوس ہوا جیسے کوئی اس کے جسم کو اِدھر اُدھر سے لڑھکا رہا ہے۔ ساتھ ہی ساتھ اس کے کانوں میں دھیمی دھیمی سرگوشیاں بھی ہو رہی تھیں۔ کیا تجربہ گاہ میں چور گھس آئے ہیں۔ وہ غنودگی کی حالت میں سوچ رہا تھا۔ ڈیوڈ اس کو آہستہ آہستہ جگانے کی کوشش کر رہا تھا۔ وہ ہڑبڑا کر بیٹھ گیا۔ اس نے حیرت سے ڈیوڈ کو دیکھا تمام سوئچ کھُلے ہوئے تھے اور برقی آلہ ڈیوڈ نے اپنے سر پر لگا رکھا تھا۔

"ڈیڈی! رابطہ مل گیا ہے۔" ڈیوڈ کا چہرہ خوشی سے سرخ ہو رہا تھا۔ نیل نے بورڈ پر نظر ڈالی۔ سرخ اور ہری بتّیاں بار بار جل بُجھ رہی تھیں۔ نیل نے بے تابی سے برقی آلہ اپنے سر پر چڑھا لیا۔ وہ ایک لمحہ کی دیر کیے بغیر بندر کو ہدایات دینے لگا۔ ایسا لگتا تھا کہ بندر کو زمین دوز مقام پر رکھا گیا ہے۔ نیل بار بار اس سے کہہ رہا تھا کہ اسے باہر نکلنا ہے۔ وہ کسی کو بھی نقصان نہ پہنچائے۔

پندرہ منٹ بعد نیل کو اندازہ ہو گیا کہ بندر عمارت سے باہر نکل آیا ہے۔ اسے یقین تھا کہ حفاظتی عملہ اس کا پیچھا ضرور کرے گا اور حکومت فوراً حرکت میں آجائے گی۔ اس لیے وہ بندر کو بہت زیادہ تیز رفتار سے چلنے پر اُکسا رہا تھا۔ اُسے ڈر تھا کہ جلد ہی برقی آلے کے ذریعہ سے بندر کو روکنے کی کوشش کی جائے گی۔ اب بندر تیز رفتاری سے کھلے میدان کی طرف بھاگ رہا تھا۔ نیل نے بندر کو تباہ کرنے کا آلہ مضبوطی سے ہاتھ میں پکڑ لیا۔ اس کے ہاتھ میں ہلکی سی لرزش تھی۔ پیشانی پر پسینے کے قطرے چمک رہے تھے۔ اپنی بنائی ہوئی تخلیق کو خود اپنے ہاتھوں سے مٹانا کتنا اذیت ناک اور تکلیف دہ ہوتا ہے، یہ بات نیل کا دل ہی سمجھ سکتا تھا۔ ڈیوڈ دم سادھے خاموشی سے ایک طرف کھڑا تھا۔ اچانک نیل نے بٹن دبا کر برقی آلہ اپنے کانوں سے اُتار پھینکا۔ اس نے شکر گزار نظروں سے ڈیوڈ کو دیکھا مگر ڈیوڈ کی نظروں سے نیل کی آنکھوں کی نمی چھُپی نہ رہ سکی۔ اس نے بھی رنجیدہ ہو کر سر جھکا لیا۔ جو کچھ وہ کرنا چاہتے تھے وہ ہو چکا تھا۔ رنج کے ساتھ نیل کو اطمینان بھی تھا کہ اس نے اپنی ایجاد کو انسان کی تباہی کے لیے استعمال نہیں ہونے دیا۔ ایک موجد کو اپنی ایجاد کی تباہی پر صدمہ تھا، مگر ایک انسان کو انسانیت کو تباہی سے بچا لینے پر خوشی تھی۔

سوال و جواب

حکیم محمد سعید

طب کی روشنی میں

مٹاپا

س: عمر ۱۳ سال ہے۔ میں موٹی بہت ہوں اس لیے سب لوگ مجھے موٹی موٹی کہہ کر پکارتے ہیں۔ ازراہِ کرم مجھے بتائیے کہ کیا کروں۔
ا۔ع۔ ارم عشرت، کراچی

ج: کھانے میں پرہیز کرنا چاہیے۔ آلو بالکل چھوڑ دیں۔ میٹھا کم سے کم کھائیں۔ گھی کی روٹیاں اور حلوائیوں کی مٹھائیاں وزن بڑھاتی ہیں۔ انھیں کم کھانا چاہیے۔ جسمانی اور ہلکی ورزش بھی ضروری ہے۔

کیلیں اور چھائیاں

س: میرے منھ پر کیل، چھائیاں، مُہاسے، داغ اور دھبّے پڑ گئے ہیں۔ اپنے قیمتی مشورے سے نوازیے۔
رانا گلزار احمد وکی، علی پور

ج: اگر آپ نے "صافی" استعمال نہیں کی ہے تو کر ڈالیے۔ رات سوتے وقت چائے کے دو چمچے برابر صافی نیم گرم پانی میں ملا کر ۱۵۔ ۲۰ دن پی ڈالیے۔

سفید بال

س: عمر ۱۹ سال، انٹر کا طالب علم ہوں۔ میرے بال سفید ہیں۔ کوئی دوا بتائیے۔
محمد عثمان، پڈعیدن

ج: بالوں کا سفید ہو جانا مرض کی تعریف میں نہیں آتا۔ آپ بتائیے کہ جب مرض ہی نہیں ہے تو دوا میں کیا بتاؤں، جواں سالی میں بالوں کا سفید ہو جانا طبعی نہیں ہے۔ ایک خاص عمر تک پہنچ جانے کے بعد جسم میں تبدیلیاں آتی ہیں۔ انزائم کا نظام بدلتا ہے۔ غدود کا فعل کم و بیش (غیر معتدل) ہو جاتا ہے تو بال سفید ہوتے ہیں۔ اور بزرگی کی چھاپ

لگ جاتی ہے، مگر بعض حالات میں جسم میں یہ تبدیلیاں غیر فطری طور پر وقت سے پہلے بھی ہوجاتی ہیں۔ کوئی خاص تشویش کی بات نہیں ہے۔ کہتے ہیں کہ اگر آملے کا مُربّا روزانہ کافی عرصے کھایا جائے تو بالوں کے سفید ہونے کا عمل رُک جاتا ہے۔ آپ یہ تجربہ ضرور کر لیجیے۔

مسوڑے پھُولنا

س: عمر ۱۴ سال۔ میرے مسوڑے پھول جاتے ہیں، جس سے مجھے بہت تکلیف ہوتی ہے۔

ہما ناز عبدالسلام، کراچی

ج: سب سے پہلا کام: گائے بھینس کا گوشت بالکل چھوڑ دیجیے۔ اس گوشت سے مسوڑے ضرور خراب ہوتے ہیں۔ دانتوں پر پیلو ٹوتھ پیسٹ لگائیے۔ صبح اور رات کو سوتے وقت وٹامن سی ۵۰۰ ملی گرام کی ایک ٹکیا کافی دنوں تک روزانہ کھائیے۔

سَر میں خشکی

س: عمر ۲۱ سال۔ میرے سَر میں بہت خشکی ہے، جس کی وجہ سے میری یادداشت متاثر ہوتی ہے۔

اقبال قریشی، کراچی

ج: روغن کمیلا ۳۶ گرام، دوائے خارش سفید ۳ گرام۔ دونوں کو ملا کر رکھ لیں۔ رات سوتے وقت سَر میں لگائیں۔ صبح صابن سے سَر دھوئیں۔ خشکی کو آرام آجائے گا۔

گلے کا درد

س: عمر ۱۱ سال ہے۔ قرآن مجید حفظ کر رہا ہوں۔ مجھے تقریباً ایک سال سے گلے کا درد ہے۔ کبھی ٹھیک ہوجاتا ہے اور کبھی دوبارہ درد شروع ہوجاتا ہے۔ اس کی کیا وجہ ہے؟ کھانسی بھی بہت ہوتی ہے۔ بہت علاج کرایا افاقہ نہیں ہوا۔

منصور احمد

ج غالباً آپ کے کَوزتین میں ورم (ٹونسلائٹس) آگیا ہے۔ جب کم زوری کی وجہ سے اُن پر جراثیم حملہ آور ہوتے ہیں تو ورم بڑھتا ہے اور درد ہوجاتا ہے۔ کَوزتین انسان کے گلے میں محافظ کُتّے (واچ ڈاگ) ہیں۔ حلق کے ذریعے سے جسم کے اندر جانے والی ہر چیز میں سے یہ جراثیم کو گرفتار کر لیتے ہیں اور ضائع کر دیتے ہیں۔ جب یہ محافظ کم زور ہوجاتے ہیں تو جسم کو خطرات لاحق ہوجاتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ انسان دوست ماہرین مشورہ

دیتے ہیں کہ ٹونزلین کا مرض دُور کرنا چاہیے، ان کو نکال دینا صحیح نہیں ہے۔ آپ نیم گرم پانی میں ذرا سا نمک مِلا کر دن میں دو تین بار غرارے کریں۔ کافی دن یہ سلسلہ جاری رکھیں۔

جوئیں

س: میری چھوٹی بہن کے سر میں بہت لیکھیں اور جوئیں ہیں۔ ازراہِ کرم کوئی ایسا مشورہ دیجیے کہ یہ ختم ہو جائیں۔
فائزہ، کراچی

ج: سر میں جب جوئیں پیدا ہو جاتی ہیں تو بڑی مشکل سے جاتی ہیں۔ پرانے زمانے میں مائیں اپنی بچّیوں کو دھوپ میں لے کر بیٹھ جایا کرتی تھیں اور بڑی دیدہ ریزی سے اور محنت شاقّہ سے جوئیں چُن لیا کرتی تھیں اور ناخونوں پر رکھ کر چٹ چٹ مارا کرتی تھیں۔ اب ایسی مائیں کہاں! مائیں ہیں تو اُن کی نگاہیں کہاں! وقت کہاں! ہمدرد سے دوائے خارش سفید ۱۲ گرام اور روغن کمیلا ۶ گرام لے لیں۔ دونوں کو ملا کر رکھ لیں۔ رات کو روزانہ یہ تیل سر میں ڈالیں۔ صبح نہالیں۔

بُری عادت

س: میں کافی عرصے سے بُری عادت میں مبتلا ہوں۔ کچھ عرصے قبل مجھ پر دورہ پڑا تھا۔ اب مجھے اپنا مستقبل تاریک نظر آرہا ہے۔ مجھے ایسا علاج بتادیں کہ میں تن درست ہو جاؤں۔
ف۔ ا، کراچی

ج: آپ پر جو دورہ پڑا تھا اس کا اس عادت سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ اس عادت کو چھوڑنے کا صرف ایک ہی طریقہ ہے کہ آپ اپنے آپ کو مصروف رکھیں۔ پڑھائی میں دل چسپی لیں۔ نماز باقاعدگی سے ادا کریں۔ بزرگوں کی باتوں کو غور سے سُنا کریں۔ اچھے لوگوں کو اپنا دوست بنائیں۔

ویسے آپ کسی بھی دن ہمدرد مطب آرام باغ یا کسی اور مطب میں جا کر دکھا دیں۔

عقل مند غلام

حامد علی شاہد، لاڑہ

سبزے اور اونچی اونچی ٹیکریوں میں ایک چھوٹا سا مگر بہت ہی خوب صورت شہر ہے۔ یہ شہر اپنے حُسن کی مثال خود ہے۔ اس کے ایک طرف گیت گاتی ہوئی نہر بہ رہی ہے اور دوسری طرف سبزہ اُگلتی ہوئی زمین اپنی بہار دکھا رہی ہے۔ لہلہاتے کھیت اور قد آور درخت شہر کے حُسن میں چار چاند لگا رہے ہیں۔ اس چھوٹے سے شہر میں زندگی کی تمام نعمتیں موجود ہیں۔ بچّوں کی تعلیم و تربیت کے لیے یہاں ایک بڑا سا اسکول قائم ہے جس کا نام سرجان اسکول ہے۔ مریضوں کے لیے سرجان نامی ہسپتال ہے۔ مسافروں کے لیے سرجان نامی ایک بہت بڑی سرائے ہے۔ اس طرح کی اور بھی کئی سرجان کے نام سے پہچانی جانے والی چیزیں ہیں۔

آپ حیران ہو رہے ہوں گے کہ ہر چیز سرجان کے نام سے کیوں پُکاری جاتی ہے۔ یہی سوال اس شہر میں آنے والے ہر اجنبی کے لبوں پر ہوتا ہے۔ وہ بڑے اشتیاق سے شہر کے لوگوں سے اس کی وجہ پوچھتے ہیں تو لوگ بتاتے ہیں:

"آج سے نہ جانے کتنے برسوں پہلے یہاں ایک چھوٹی سی بستی ہوتی تھی۔ اس بستی کی آبادی کم تھی۔ یہاں رہنے والے لوگوں کے جسم خوب صورت اور مضبوط ہوتے تھے۔ یہ لوگ بہت محنتی تھے۔ ان میں زیادہ تر کھیتی باڑی کا کام کرتے تھے۔ اس بستی کا سردار بڑا ظالم اور کنجوس تھا جو سردار بوٹا کے نام سے پکارا جاتا تھا۔ بستی کے لوگ دن رات خون پسینا ایک کرکے جو غلّہ اُگاتے سردار بوٹا ان سے آدھے سے بھی زیادہ زبردستی چھین لیتا تھا۔

مجال ہے کوئی اس کے سامنے دَم بھی مارتا۔ ہاں البتہ اگر کوئی اس ظلم کے خلاف احتجاج کرتا تو اُسے سردار بوٹا سخت سزا دیتا۔ اس نے بہت سے غُنڈے پال

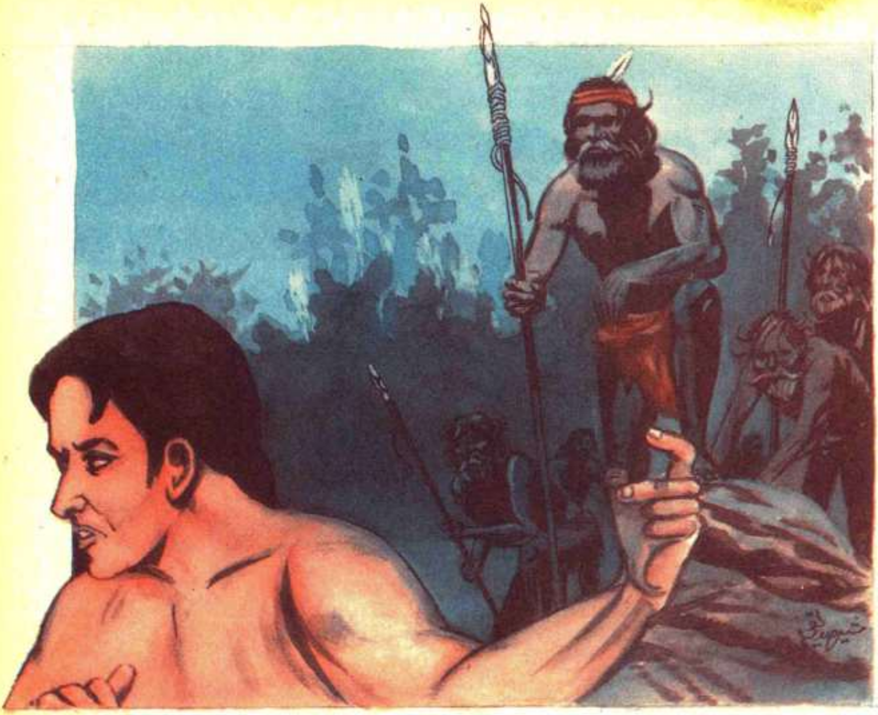

رکھے تھے جو اس کی حفاظت کرتے تھے اور اس کے اشارے پر غریبوں کو مارتے پیٹتے تھے۔

سردار بوٹا نے بستی کے لوگوں کو کبھی تعلیم حاصل کرنے کا موقع نہ دیا۔ کبھی کوئی اسکول قائم نہ کرنے دیا۔ اس کا اپنا بیٹا شہر میں کسی اچھے اسکول میں تعلیم حاصل کر رہا تھا۔ اس نے بستی میں کوئی چھوٹا موٹا ہسپتال تک نہ بننے دیا۔ اس طرح کی کئی اور زیادتیاں بستی والے برداشت کر رہے تھے۔ وہ سب گونگوں کی طرح سردار بوٹا کا ہر حکم خاموشی سے سنتے رہتے تھے۔

سردار بوٹا کے کئی غلام تھے۔ ان میں سے ایک کا نام سرجان تھا۔ یہ غلام بڑا عقل مند تھا۔ یہ سردار بوٹا کا خاص غلام تھا۔ سرجان اکثر بوٹا کو نرمی سے سمجھاتا رہتا تھا مگر خود سر بوٹا اسے کبھی ہنس کر ٹال دیتا اور کبھی سختی سے ڈانٹ دیتا۔ سرجان بڑا رحم دل تھا۔

وہ لوگوں کو پریشانیوں میں دیکھ کر دل ہی میں کُڑھتا رہتا تھا۔

اس سرسبز و شاداب بستی کے پیچھے جنگلی لوگ رہتے تھے۔ یہ وحشی بستی والوں کے دُشمن تھے۔ یہ بڑے خونخوار تھے۔ ان کے جسم کالے کالے اور گینڈے کی طرح مضبوط تھے۔ ان کے چہروں پر طرح طرح کے رنگوں سے نقش و نگار بنے ہوئے تھے اور سروں پر پرندوں کے پَر لگے ہوئے تھے۔ یہ وحشی کبھی کبھی بستی میں گھس آتے اور لوگوں کو جانوروں کی طرح ہانک کر لے جاتے۔ گویا بستی والوں کے لیے سردار بوٹا کے ساتھ ساتھ وحشی بھی عذاب بن چکے تھے۔

ایک دفعہ وحشیوں نے بستی پر حملہ کر دیا۔ بستی والے دلیری سے لڑے مگر تعداد میں کم ہونے کی وجہ سے انھیں شکست کھانی پڑی۔ وحشیوں نے سردار بوٹا اور اس کے خاص غلام سرجان کو پکڑ لیا اور اپنے سردار کے سامنے پیش کیا۔ وحشی سردار نے غصّے سے سردار بوٹا کو دیکھا اور بولا، "بتاؤ! تم نے ہم سے لڑنے کی جرات کیسے کی؟" سردار بوٹا بگڑا ہوا آدمی تھا۔ اس کی اکڑ یہاں بھی ختم نہ ہوئی۔ وہ غصّے سے بولا، "میں سردار بوٹا ہوں سردار بوٹا۔ کوئی عام آدمی نہیں کہ آسانی سے ہتھیار ڈال دیتا۔"

وحشی سردار نے دہاڑ کر کہا، "خاموش رہو۔" پھر وہ اپنے غلاموں سے بولا، "لے جاؤ اس کو اور زندہ آگ میں جلا دو۔" یہ سُن کر سردار بوٹا کے چہرے پر تو ہوائیاں اُڑنے لگیں۔ موت سامنے دیکھ کر اس کی ساری اکڑ دُور ہو گئی۔ اس کے پیچھے اس کا غلام سرجان کھڑا تھا۔ بوٹا کی سزا کا سُن کر پہلے تو وہ بھی خوش ہو گیا کہ چلو لوگوں کو ایک عذاب سے تو چھٹکارا ملے گا۔ مگر پھر سردار بوٹا کے زرد چہرے کو دیکھ کر اسے ترس آ گیا۔ اس نے دل ہی دل میں سردار بوٹا کی جان بچانے کا فیصلہ کر لیا۔ اچانک ہی اس کے ذہن میں ایک ترکیب آئی۔ اس نے فوراً اپنا سینہ تانا اور بوٹا کے سامنے کھڑا ہو گیا۔ چند لمحے اس کو غور سے دیکھتا رہا پھر ایک زور دار تھپّڑ اس کے منھ پر مارا اور رُعب دار آواز میں بولا، "او، بے وقوف غلام! جب ہمارا آقا یہاں موجود ہی نہیں تو تجھے اس کی جگہ بات کرنے کا حق کس نے دیا ہے؟"

یہ دیکھ کر دونوں سردار حیران رہ گئے، سردار بوٹا بھی اور وحشی سردار بھی۔

"کیا مطلب؟ کیا یہ سردار بوٹا نہیں ہے؟" وحشی سردار نے حیرت سے کہا۔
سرجان نے ادب سے جھک کر کہا، "بالکل نہیں سردار! یہ سردار بوٹا نہیں ہے۔ یہ تو اس کا غلام ہے۔ یہ جھوٹ بول رہا ہے۔ سردار بوٹا تو جنگل میں ہاتھیوں کی ایک بہت بڑی فوج تیار کرنے میں مصروف ہے تاکہ آپ کی پوری بستی روند ڈالے۔"
وحشی سردار نے حیرت سے پوچھا، "لیکن جانوروں کی فوج وہ کیسے تیار کر سکتا ہے؟"
سرجان نے کہا، "ایسا ہونا واقعی ناممکن ہے، مگر وہ ایسا گُر جانتا ہے کہ تمام جانور اس کے غلام بن جاتے ہیں۔"
یہ سُن کر وحشی سردار کے تن بدن میں آگ لگ گئی۔ کچھ دیر سوچنے کے بعد وہ بولا، "کیا تم ہمیں وہاں لے جا سکتے ہو جہاں وہ ہاتھیوں کی فوج تیار رہا ہے؟" سرجان نے ادب سے جواب دیا، "کیوں نہیں! لیکن ہو سکتا ہے کہ اُس نے کچھ ہاتھی سدھا لیے ہوں، اس لیے آپ اپنی ساری فوج لے جائیں تو بہتر ہوگا۔" وحشی سردار فوراً راضی ہو گیا۔ اُس نے سردار بوٹا کو ایک عام غلام سمجھ کر آزاد کر دیا اور خود اپنی فوج لے کر سرجان کے ساتھ جنگل کی طرف روانہ ہو گیا۔ سرجان انھیں پہلے تو جنگل کے اُس حصے میں لے گیا جہاں ہر طرف کانٹے دار جھاڑیاں تھیں۔ وہاں وحشی بار بار کانٹوں میں اُلجھ کر زخمی ہوتے رہے

پھر سرجان انھیں جنگل کے اس حصّے کی طرف لے کر چل پڑا جہاں دلدل تھی۔ اس نے سب کو دلدل سے کچھ فاصلے پر روکا اور وحشی سردار سے بولا، "سردار محترم! مجھے اجازت دیجیے کہ میں آگے جا کر دیکھ آؤں کہ کہیں آگے سردار بوٹا اور اس کی ہاتھیوں والی فوج تو موجود نہیں۔" وحشی سردار نے فوراً اجازت دے دی اور سرجان دلدل کی طرف چل پڑا۔ وہاں پہنچ کر اس نے بہت سا گھاس پھوس اکھٹا کیا اور اسے ساری دلدل پر پھیلا دیا۔ اب یہ کوئی بھی نہیں کہہ سکتا تھا کہ یہاں دلدل ہے۔

پھر وہ واپس وحشیوں کے پاس آیا اور وحشی سردار سے بولا، "سردار! چلیے۔ ابھی آگے کوئی خطرہ نہیں۔"

وحشی سردار اور اس کا قافلہ آگے چل پڑا۔ دلدل کے قریب پہنچتے ہی سرجان خود تو دلدل سے بچ کر گزر گیا۔ جب کہ وحشی گھاس پھوس پر سے گزرتے ہوئے دلدل میں پھنستے چلے گئے۔ انھوں نے بڑے ہاتھ پیر مارے کہ کسی طرح بچ جائیں مگر وہ جوش میں زیادہ آگے آ گئے تھے، اس لیے سب دلدل میں غرق ہو گئے۔ سرجان نے اطمینان کا سانس لیا اور واپس اپنی بستی میں آ گیا۔

بستی میں پہنچتے ہی سردار بوٹا اس کے قدموں میں گر پڑا اور اپنے کیے کی معافی مانگنے لگا۔ سرجان نے اسے معاف کر دیا اور جب اس نے وحشیوں سے چھٹکارے کی خوش خبری سردار کو سُنائی تو اس کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ اس نے سرجان کو گلے لگا لیا اور اسے اپنی جگہ بستی کا سردار بنا دیا۔

سردار بنتے ہی سرجان نے بستی والوں کی تعلیم و تربیت کے لیے ایک اسکول کھولا۔ بوٹا کا بیٹا اُستاد بنا۔ ہسپتال بھی بنایا اور کئی چیزیں بنائیں۔ اس وجہ سے لوگ سب چیزوں کو سرجان کے نام سے پکارنے لگے۔

سرجان تو کب کا مر چکا ہے لیکن لوگ آج بھی اپنے بچّوں کو اس کی بہادری کی داستانیں سُناتے ہیں۔

● ●

شیکسپیئر کے ایک ڈرامے کا خلاصہ

پھول کھلے ہیں جنگل میں

مناظر صدیقی

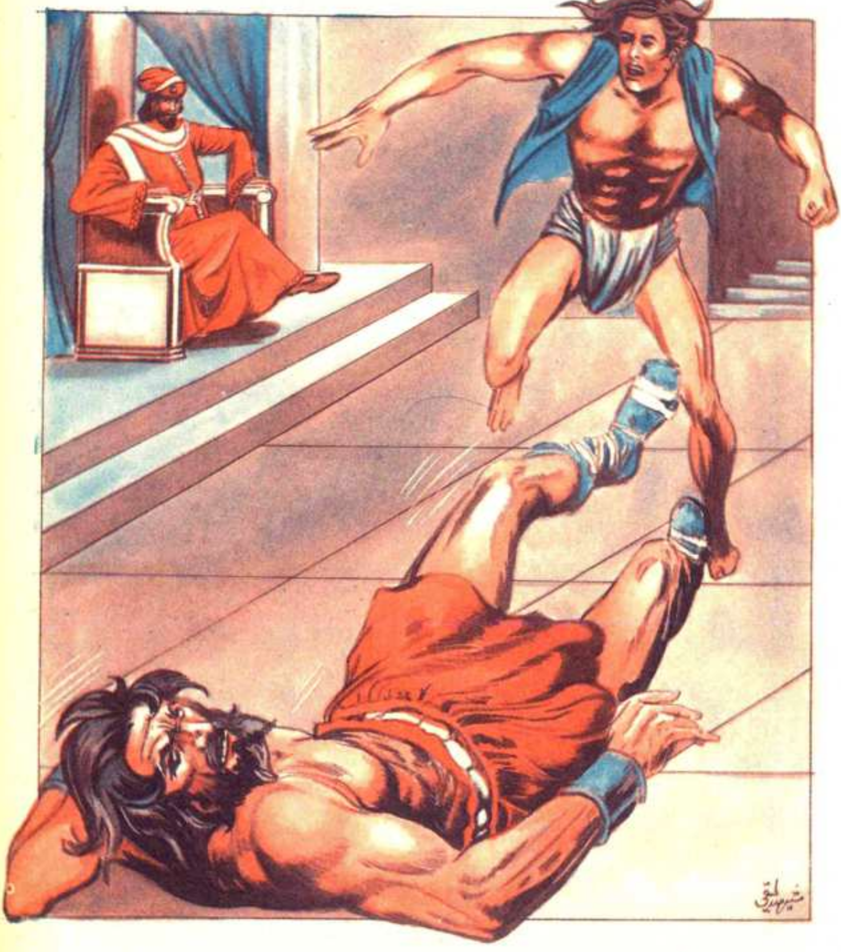

کسی زمانے میں ایک چھوٹی سی ریاست کا حاکم بڑا رحم دل اور نیک تھا۔ اس ڈیوک کو جنگ سے نفرت تھی، لیکن اس کا بھائی فریڈرک بڑا ظالم تھا اور ہر وقت لڑنے بھڑنے کے لیے تیار رہتا تھا۔ بڑے بھائی کی نیکی اور رحم دلی سے فائدہ اُٹھا کر فریڈرک نے بغاوت کر دی اور اپنے بھائی کی ریاست پر قبضہ کر لیا۔ بے چارے ڈیوک نے اپنے بھائی سے لڑنے کے بجائے اپنی ریاست چھوڑنے اور جلاوطنی اختیار کرنے کا فیصلہ کر لیا۔ وہ اپنے کچھ وفادار ساتھیوں کو ساتھ لے کر آرڈن کے جنگل میں رہنے لگا۔ اُسے یہ اطمینان تھا کہ اس گھنے جنگل میں اب کسی سے لڑائی جھگڑا نہیں ہوگا۔

جلاوطن ڈیوک کا ایک پرانا دوست رولینڈ تھا۔ اس کی موت کا وقت قریب آیا تو اس نے اپنے تینوں بیٹوں آلیور، آرلینڈو اور جیکویلیس کو پاس بُلایا۔ اپنی جائداد بڑے بیٹے آلیور کو دی اور اس کے ساتھ یہ وصیت کی کہ دوسرے بھائیوں کو تعلیم دلائے اور ضرورت کے وقت ان کی مدد کرے۔ آلیور نے اپنے چھوٹے بھائی جیکویلیس کو اپنے ساتھ ملا لیا اور آرلینڈو کو نظر انداز کر دیا یہاں تک کہ اسے پوری تعلیم تک نہیں دلائی۔

آرلینڈو کے ساتھ یہ سخت ناانصافی تھی، لیکن وہ جھگڑا نہیں کرنا چاہتا تھا۔ اس نے اپنے دونوں بھائیوں سے کہا، "آپ باپ کی جائداد سے مجھے میرے حصّے کے ایک ہزار کراؤن دے دیجیے۔ میں کہیں اور چلا جاؤں گا۔"

آلیور باپ کے چھوڑے ہوئے ایک ہزار کراؤن آرلینڈو کو دینا ہی نہیں چاہتا تھا۔ اس کی خواہش تو یہ تھی کہ وہ یہ رقم خود ہی استعمال کرے۔ چناں چہ اُس نے ایک مشہور پہلوان کو اس بات پر تیار کیا کہ وہ آرلینڈو سے کشتی لڑ کر اُسے جان سے مار ڈالے۔

یہ پہلوان فریڈرک کا ملازم تھا اور ملک کا سب سے بڑا پہلوان سمجھا جاتا تھا۔ پھر اُس نے آرلینڈو سے کہا کہ تمھیں اس پہلوان سے کشتی لڑنا پڑے گی، اگر تم جیت گئے تو ایک ہزار کراؤن تمھیں مل جائیں گے۔ وہ سمجھتا تھا کہ اس کا بھائی آرلینڈو اس پہلوان کو ہرا ہی نہیں سکتا۔ پہلے تو وہ یہ چیلنج قبول نہیں کرے گا، اگر وہ پہلوان سے لڑا تو مارا جائے گا۔

چناں چہ مقابلے کی تاریخ طے ہو گئی۔ پھر جب مقابلہ شروع ہوا تو تماشائیوں میں

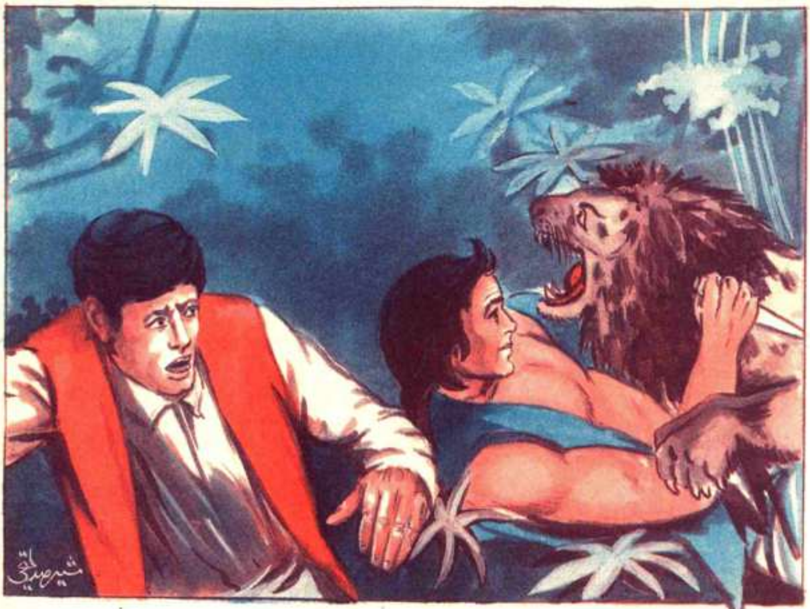

اپنے بھائی کی ریاست پر قبضہ کرنے والے فریڈرک کی بیٹی سیلیا اور اس کی چچا زاد بہن روزالین بھی موجود تھیں۔ روزالین جلاوطن ڈیوک کی بیٹی تھی، لیکن اس کے چچا فریڈرک نے اُسے محل میں رہنے کی اجازت دے دی تھی۔ روزالین اور سیلیا آپس میں بہنیں تو تھیں ہی مگر گہری سہیلیاں بھی تھیں۔ ان کی دوستی اتنی پکّی تھی کہ لوگ سمجھتے تھے کہ دونوں کو ایک دوسرے سے الگ کیا ہی نہیں جا سکتا۔

روزالین نے کشتی شروع ہونے سے پہلے ہی یہ اندازہ کر لیا تھا کہ فریڈرک کے پہلوان کے مقابلے میں آرلینڈو بہت کم عمر اور ناتجربے کار ہے۔ اُسے یقین نہیں تھا کہ آرلینڈو اس پہلوان کو ہرا سکے گا۔ اس لیے اس نے آرلینڈو سے کہا کہ وہ اس بے جوڑ مقابلے سے انکار کر دے، لیکن آرلینڈو اس پہلوان سے خوف زدہ نہیں تھا۔ اس نے کشتی لڑنے سے انکار نہیں کیا۔ پھر جب کشتی شروع ہوئی تو تمام لوگوں کے ساتھ روزالین کو بھی یہ دیکھ کر بڑی حیرت ہوئی کہ آرلینڈو نے اس پہلوان کو شکست دے دی۔

فریڈرک بھی یہ مقابلہ دیکھ رہا تھا۔ وہ آرلینڈو کی ہمّت، طاقت اور پھرتی سے خوش ہو کر اس کی تعریف کرنا ہی چاہتا تھا کہ کسی نے اُسے بتایا کہ آرلینڈو تمھارا دشمن ہے، کیوں کہ وہ جلاوطن ڈیوک کے گہرے دوست رولینڈ کا بیٹا ہے۔ یہ بات معلوم ہوتے ہی فریڈرک کی ساری خوشی غصّے میں بدل گئی اور وہ آرلینڈو کی تعریف کرنے کے بجائے اس پر ناراض ہونے لگا۔ لیکن روزالین نے اس کی بہادری سے خوش ہو کر اپنے گلے سے سونے کی زنجیر اُتار کر اُسے تحفے میں دے دی۔ روزالین کو تحفہ دیتے دیکھ کر فریڈرک اُس پر بھی اتنا ناراض ہوا کہ اُس نے روزالین کو بھی اپنے محل سے نکال دیا۔ فریڈرک تو موقع کا انتظار کر رہا تھا کہ کب کوئی بہانہ ملے اور وہ روزالین کو اپنے محل سے نکال دے، کیوں کہ ایک تو روزالین اس کے جلاوطن بھائی کی بیٹی تھی اور دوسرے یہ کہ وہ اس کی اپنی بیٹی سیلیا سے زیادہ خوب صورت اور ہنس مُکھ تھی۔ وہ اپنی باتوں سے دوسروں کو بھی ہنساتی رہتی تھی۔ وہ سیلیا سے زیادہ عقل مند بھی تھی۔ اسی لیے فریڈرک روزالین سے جلتا تھا۔ لیکن اس کی بیٹی سیلیا کو روزالین سے بڑی محبّت تھی۔ وہ روزالین سے بالکل حسد نہیں کرتی تھی۔

فریڈرک نے روزالین کو محل سے نکل جانے کا حکم دیا تو اس کی سہیلی سیلیا کو بہت دُکھ ہوا۔ اس نے فیصلہ کر لیا کہ اب وہ بھی اس محل میں نہیں رہے گی، روزالین کے ساتھ ہی رہے گی۔ دونوں نے محل سے نکلتے وقت جیسٹر کو بھی اپنے ساتھ لے لیا۔ جیسٹر ان کا ملازم تھا۔ وہ بہت ہنس مُکھ بھی تھا اور بہادر بھی۔ وہ ایسی باتیں کرتا جنھیں سُنتے ہی ہنسی آجاتی۔ دونوں سہیلیوں نے جیسٹر کو اسی لیے ساتھ لیا تھا کہ راستہ ہنستے ہنساتے کٹ جائے اور انھیں سفر کی تکلیفوں کا احساس نہ ہونے پائے۔

روزالین اور سیلیا نے محل سے نکلتے وقت اپنے قیمتی لباس اُتار دیے تھے۔ روزالین نے چرواہے کا لباس پہن کر مردانہ بھیس بنا رکھا تھا اور سیلیا نے بھی کسی چرواہے کا لباس پہن لیا تھا۔ روزالین کا قد چوں کہ لمبا تھا، اس لیے وہ اس لباس میں سچ مُچ چرواہا ہی معلوم ہو رہی تھی۔ ان تینوں نے بھی آرڈن کے جنگلوں ہی کا رُخ کیا، جہاں پر جلاوطن ڈیوک اپنے تھوڑے سے وفادار دوستوں کے ساتھ رہتا تھا۔

اُدھر آرلینڈو کُشتی میں پہلوان کو شکست دینے کے بعد جب اپنے بھائی کے گھر کی طرف جانے لگا تو اُسے راستے میں اپنا ایک پرانا ملازم مل گیا۔ اس کا نام آدم تھا۔ آدم کو معلوم تھا کہ آلیور اپنے بھائی آرلینڈو کو جان سے مار ڈالنا چاہتا تھا۔ وہ اپنے ساتھ اپنی زندگی بھر کی پونجی لے آیا تھا۔ اب تک اُس نے کُل پانچ سو کراؤن جمع کیے تھے۔ یہ رقم اس کے پاس تھی۔ آدم نے آرلینڈو سے کہا کہ تم اپنی جان بچاؤ اور میرے ساتھ کسی ایسی جگہ چلو جہاں نہ آلیور کا خطرہ ہو اور نہ فریڈرک کا۔ آدم کی باتیں سُن کر آرلینڈو نے بھی سوچا کہ واقعی اپنے بھائی آلیور کے گھر جانا ٹھیک نہیں۔ چناں چہ وہ بھی آدم کے ساتھ ہو لیا۔ ان دونوں نے بھی آرڈن کے گھنے جنگل کا رُخ کیا۔

روزالین اور سیلیا جیسٹر کے ساتھ آرڈن کے گھنے جنگل میں پہنچ چکی تھیں۔ تھوڑی بہت مصیبتیں اُٹھانے کے بعد انھیں جنگل میں ایک چھوٹا سا مکان بھی نظر آ گیا تھا۔ روزالین کو جنگل میں یہ مکان دیکھ کر بڑی حیرت ہوئی کہ آخر اس جنگل میں یہ مکان کس نے بنایا ہوگا۔ پھر جب وہ مکان کے قریب پہنچی تو یہ دیکھ کر اس کی حیرت اور

بھی بڑھ گئی کہ مکان کے قریب اُگے ہوئے درختوں کی شاخوں میں جگہ جگہ کچھ کاغذ اُڑسے ہوئے ہیں۔ ان کاغذوں پر چھوٹے چھوٹے پیارے پیارے گیت لکھے ہوئے تھے، جن میں روزالین کی تعریف کی گئی تھی۔ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے گیت لکھنے والا روزالین کو جانتا ہو اور اُسے بہت زیادہ پسند بھی کرتا ہو۔ یہ گیت سیلیا نے بھی پڑھے۔ دونوں سہیلیاں حیران تھیں کہ یہاں یہ گیت لکھ کر رکھنے والا کون ہے؟ آخر سیلیا نے بیڑہ اُٹھایا کہ وہ گیت لکھنے والے کو ضرور تلاش کرے گی اور کئی دِنوں کی کوششوں کے بعد اُس نے پتا چلا لیا کہ یہ گیت آرلینڈو نے لکھے ہیں۔ اُس نے آرلینڈو کو روزالین سے مِلا دیا، لیکن آرلینڈو روزالین کو نہیں پہچان سکا، کیوں کہ اس نے چرواہے کا لباس پہن رکھا تھا۔ پھر بھی وہ اس سے ملنے کے لیے روز آنے لگا۔

روزالین اور سیلیا تو محل چھوڑ چکی تھیں، لیکن ان کے غائب ہو جانے سے فریڈرک کا غصّہ اور بڑھ گیا تھا۔ وہ سمجھ رہا تھا کہ آلیور نے سیلیا، روزالین اور آرلینڈو کو اپنے گھر میں چھپا رکھا ہے۔ فریڈرک کو یہ تو معلوم ہی نہیں تھا کہ آلیور نے اپنے چھوٹے بھائی سے جان چھڑانے اور اُس کو مار ڈالنے کا کیا منصوبہ بنایا تھا۔

فریڈرک نے غصّے میں آلیور کو بھی اپنے دربار سے نکال دیا۔ آلیور نے جب یہ دیکھا کہ فریڈرک اس کی جان کا بھی دشمن ہو گیا ہے تو اسے بھی اپنی جان بچانے کے لیے یہی راستہ نظر آیا کہ وہ کسی جنگل میں پناہ لے۔ چناں چہ وہ بھی آرڈن کے جنگل میں پہنچ گیا۔ لیکن جنگل میں گھسنے کے بعد وہ تھوڑی ہی دُور چلا تھا کہ ایک شیر ببر نے اس پر حملہ کر دیا۔ آرلینڈو نے شیر کا مقابلہ کیا اور اپنے بھائی کی جان تو بچالی لیکن شیر کے پنجوں سے خود زخمی ہو گیا۔ آلیور نے جب یہ دیکھا کہ وہ جس بھائی کی جان لینا چاہتا تھا اُسی نے اس کی جان بچائی ہے تو وہ اپنی پچھلی غلطی پر نادم ہو گیا اور اپنے بھائی کو گلے لگا لیا۔

آرلینڈو شیر کے ہاتھوں زخمی ہونے کے بعد اب روزالین سے ملنے نہیں جا سکتا تھا۔ حال آنکہ جب سے سیلیا کو یہ پتا چلا تھا کہ روزالین کی تعریف میں گیت لکھنے والا آدمی آرلینڈو ہی ہے۔ اُس وقت سے آرلینڈو، روزالین سے ملنے کے لیے روزانہ

جنگل میں بنے ہوئے روزالین کے مکان میں جایا کرتا تھا۔ آلیور کو جب یہ معلوم ہوا کہ آرلینڈو روزانہ کی طرح اب روزالین کے پاس نہیں جا سکے گا تو اُس نے سوچا کہ میں خود جاکر روزالین کو بتا دوں کہ آرلینڈو زخمی ہو گیا ہے اور اب کچھ دِنوں تک وہ نہیں آسکے گا۔ یہ سوچ کر جب وہ روزالین کے مکان پر پہنچا تو اس کی ملاقات سیلیا سے ہوئی۔ وہ اس وقت بھی چرواہی کے لباس میں تھی۔ اس لباس میں بھی وہ بہت اچھی معلوم ہو رہی تھی۔ آلیور نے جب اُس سے بات کی تو اُسے اندازہ ہوا کہ سیلیا واقعی بہت اچھی اور خوش اخلاق ہے۔ چناں چہ وہ سیلیا کو پسند کرنے لگا۔ کچھ دِنوں کے بعد جلاوطن ڈیوک کے سامنے آلیور اور سیلیا کی شادی ہو گئی۔ اس شادی کے موقع پر روزالین بھی موجود تھی۔ اس نے اس روز چرواہے کے لباس کے بجائے اپنا لباس پہن رکھا تھا۔ اب آرلینڈو نے بھی روزالین کو پہچان لیا۔ ساتھ ساتھ جلاوطن ڈیوک نے بھی اپنی بیٹی کو پہچان لیا۔ اُسے اپنی بیٹی سے مِل کر بڑی خوشی ہوئی۔

آلیور اپنی پچھلی غلطیوں پر نادم تو تھا ہی، آرلینڈو کی وجہ سے اس کی جان بچی تھی، اس لیے اب وہ آرلینڈو سے اتنا خوش تھا کہ اپنی پوری جاگیر اور ساری دولت اپنے چھوٹے بھائی کو دینا چاہتا تھا۔ اُسی وقت ان لوگوں کو یہ پتا چلا کہ فریڈرک اپنے جلاوطن بھائی کو مارنے کے لیے خود آرڈن کے جنگل میں آرہا ہے۔

فریڈرک اپنے جلاوطن بھائی کو مارنے کے لیے اپنے محل سے تو چل پڑا تھا، لیکن راستے میں اس کی ملاقات ایک نیک آدمی سے ہوئی، جس نے اُسے سمجھایا کہ تم اب تک زندگی بھر بُرائی کے راستے پر چلتے رہے ہو۔ اللہ تمھاری ان حرکتوں سے ناراض ہو گا۔ اب تمھیں بُرائی کا راستہ چھوڑ کر اچھائی اور نیکی کا راستہ اختیار کرنا چاہیے۔ اس نیک آدمی نے کچھ اس طرح نصیحت کی کہ فریڈرک اپنی غلطیوں پر نادم ہوا اور اس نے ظلم سے ہمیشہ کے لیے توبہ کر لی۔ اس کے بعد اس نے جلاوطن ڈیوک کو اس کی ریاست بھی واپس کر دی۔ اس طرح ان سب لوگوں کی مصیبتیں ختم ہو گئیں اور خوشیوں کے دن لوٹ آئے۔

جاپان کی لوک کہانی

چاند کا بوڑھا

جاوید اقبال ستہ، رانی پور

آج سے صدیوں پہلے کا ذکر ہے کہ جاپان میں کسی جگہ لومڑ، بندر اور خرگوش رہتے تھے۔ ان کی آپس میں بہت گہری دوستی تھی۔ اگر اُن میں سے کسی ایک کو کھانے کے لیے کچھ نہیں ملتا تو باقی دو اس کو کھانے کے لیے کچھ دیتے۔ اسی طرح وہ ہنسی خوشی زندگی بسر کر رہے تھے۔

ایک دن چاند پر رہنے والے بوڑھے نے زمین کی طرف دیکھا۔ اس نے شہر، گاؤں، پہاڑ اور جنگل دیکھے۔ جب اس کی نظر ان تینوں پر پڑی تو وہ بہت خوش ہوا اور دل ہی دل میں کہنے لگا، "کتنے اچھے ہوتے ہیں وہ جو پیار اور محبّت سے زندگی گزارتے ہیں۔ یہ تینوں بہت گہرے دوست ہیں لیکن یہ دیکھا جائے کہ ان میں سب سے زیادہ رحم دل کون ہے۔ ان کا امتحان لینا چاہیے۔"

یہ سوچ کر دوسرے دن وہ فقیر کا بھیس بدل کر اس جگہ پہنچا جہاں بندر، لومڑ اور خرگوش رہتے تھے۔ اس نے کہا، "میں تین دن سے بھوکا ہوں۔ اللہ کے لیے مجھے کچھ کھانے کو دو۔"

"بابا! آپ یہاں بیٹھیں۔ ہم آپ کے لیے کھانے کا انتظام کرتے ہیں۔" خرگوش، بندر اور لومڑ ایک ساتھ بولے۔

تھوڑی دیر کے بعد بندر بہت سارے پھل اور لومڑ ایک بڑی مچھلی پکڑ کر لایا۔ لیکن خرگوش بے چارے کو ایسی کوئی چیز نظر نہیں آئی جو وہ چاند کے بوڑھے کے کھانے کے لیے لا دے۔ خرگوش نے بندر سے کہا، "بندر بھیّا! میرے لیے کچھ لکڑیاں تو اکھٹی کرو۔" بندر نے بہت ساری لکڑیاں لا دی۔ پھر اس نے لومڑ سے کہا، "بھیّا! آپ ذرا ان کو آگ تو لگا دیں۔" لومڑ نے لکڑیوں کو آگ لگا کر دی۔ خرگوش نے روتے ہوئے

چاند کے بوڑھے سے کہا،

"فقیر بابا! میں آپ سے بہت شرمندہ ہوں۔ بندر اور بھیّا لومڑ آپ کے لیے کچھ نہ کچھ لائے لیکن میں آپ کے لیے کچھ نہیں لا سکا۔ اس لیے میں اپنے آپ کو آگ میں ڈال رہا ہوں۔ جب خوب پک جاؤں تو نکال کر کھا لینا۔"

یہ کہہ کر خرگوش آگ کی طرف دوڑا۔ لیکن چاند کے بوڑھے نے اسے پکڑ لیا اور تینوں سے کہنے لگا، "پیارے دوستو! میں تمھارا امتحان لینے آیا تھا۔ مجھے خوشی ہوئی ہے کہ تم تینوں امتحان میں کام یاب ہو گئے۔ لیکن تم میں سے زیادہ رحم دل اور مہربان ننھا خرگوش نکلا۔ اس لیے میں اسے اپنے ساتھ چاند پر لے جاتا ہوں۔" یہ کہہ کر بوڑھا خرگوش کو چاند پر لے گیا۔ اگر آج بھی آپ چمکتے چاند کو غور سے دیکھیں گے تو آپ کو ایک خرگوش نظر آئے گا جو صدیوں پہلے چاند کے بوڑھے کے ساتھ گیا تھا۔

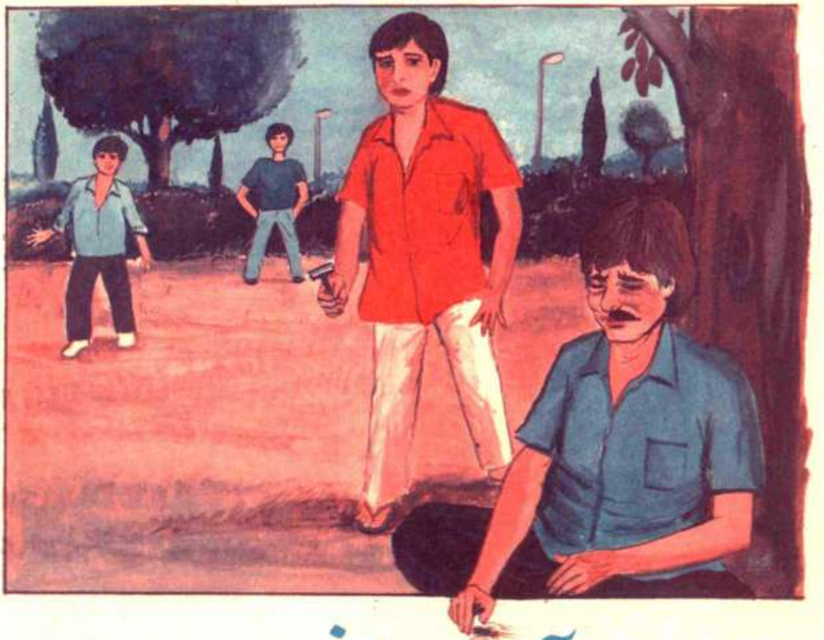

آدھی مُونچھ

عامر یونس، کراچی

بارش تو رات کو ہی تھم چکی تھی۔ مگر وہ برساتی نالہ اب بھی زور شور سے بہ رہا تھا۔ پھر بارش ہوئی بھی تو بہت دِنوں بعد تھی اور خوب ہی جم کر برسی تھی۔ وہ سوکھا ہوا برساتی نالہ پانی سے لبالب بھر گیا تھا اور محلّے کے بچّوں کو سیر و تفریح کا موقع ہاتھ آگیا۔ سوئمنگ پُول تو امیروں کے چونچلے ہیں، اس محلّے کے بچّوں کو یہ "سوئمنگ نالہ" ضرور مل گیا تھا۔ سب پانی میں کُود گئے تھے اور خوب نہائے۔ اس قدر نہائے کہ سارے سال کا کوٹا پورا کر لیا۔ کوئی پانی میں غوطے مار رہا تھا تو کوئی پانی میں جانے سے ڈر رہا تھا۔ سب بچے مِل کر اس کی ڈنڈا ڈولی کر کے اس کو پانی میں پھینک رہے تھے۔ جس کو تیرنا آتا تھا وہ تیر رہا ہے اور جس کو نہیں آتا وہ بھی اُچھل کُود تو کر ہی رہا تھا۔

نوید کو تیرنا آتا تھا۔ وہ ڈُبکی لگاتا اور تیرتے ہوئے کسی لڑکے کو ٹانگوں سے پکڑ کر گھسیٹ لیتا اور وہ لڑکا ڈُبکی لگاتے لگتا۔ پھر اس لڑکے کو سب اُٹھاتے اور قہقہے لگاتے۔ وہ لڑکا کھانس کھانس کر بے دَم ہو جاتا۔ کافی دیر تک پانی میں اُچھلنے کُودنے کے بعد وہ بور ہو گئے۔

نعیم نے کہا، "چلو بھئی دیکھتے ہیں کون پانی میں دُور تک بھاگتا ہے۔"

وسیم شاید تھک گیا تھا، وہ بولا، "صبح سے اب تک دس دفعہ دوڑ لگا چکے ہیں۔ اب تھوڑا آرام کرو۔"

نعیم نے کہا، "تم لوگ تو پاگل ہو، مگر میں تو پانی میں ابھی اور نہاؤں گا۔"

وسیم، شعیب، امان، بابر، محمود اور نوید سب نالے کے قریب زمین پر بیٹھے ہوئے تھے۔ کچھ مزہ نہیں آ رہا تھا۔ ان کا دل چاہ رہا تھا کہ کوئی شرارت کی جائے۔

"ارے وہ دیکھو، آدھی مونچھ آ رہا ہے....." امان اچانک چلّایا۔ سب چونک پڑے۔ سامنے سے ایک آدمی آ رہا تھا۔

"یہ لو..... ہم سب بور ہو رہے تھے نا۔ اللہ نے مدد بھیج دی۔ چل بھئی نوید.... تیار ہو جا.... آدھی مونچھ آ رہا ہے۔" بابر نے ہنستے ہوئے کہا۔

نوید تمام لڑکوں کو اپنا خیال بتاتے ہوئے بولا، "مگر اس طرح مزہ نہیں آئے گا.... میرے ذہن میں ایک بڑا زبردست خیال آیا ہے سنو....." پھر وہ آہستہ آہستہ ان کو بتانے لگا۔

آدھی مونچھ اب نالے کے ساتھ ساتھ گزرتا ہوا ان لڑکوں کے قریب آ گیا تھا۔ پھر جیسے ہی وہ ان کے سامنے پہنچا تمام لڑکوں نے ہاتھوں میں پکڑے ہوئے بھاری پتّھر پوری قوّت سے نالے میں پھینک دیے۔ دس بارہ پتّھر جب ایک ساتھ پانی میں پھینکے جائیں تو کیا ہو گا۔ پانی ایک زبردست فوارے کی شکل میں اُچھلا اور سامنے سے گزرتے ہوئے آدھی مونچھ کو بھگو گیا۔

"ہا ہا ہا ہا ہا....." سب لڑکوں نے زوردار قہقہہ لگایا۔ آنے جانے والے بھی دیکھنے لگے۔ اسی دوران کسی لڑکے نے زور سے "آدھی مونچھ" کہہ دیا۔ آدھی مونچھ پتّھر اُٹھانے کے

لیے جُھکا ہی تھا کہ سب لڑکے بھاگ گئے۔
آدھی مونچھ کو آدھی مونچھ کیوں کہتے تھے، یہ کوئی نہیں جانتا تھا۔ البتہ جو سب جانتے تھے وہ بات یہ تھی کہ آدھی مونچھ اس نام سے بہت چڑتا تھا۔ نہ جانے کس نے اس کا یہ نام رکھا تھا۔ ویسے تو آدھی مونچھ کی پوری مونچھیں تھیں بلکہ بہت بڑی بڑی مونچھیں تھیں۔ بہرحال بچّوں کو اس معاملے میں زیادہ تحقیق کرنے کا شوق نہیں تھا۔ وہ تو بس آدھی مونچھ کہہ کر اپنا کام نکال لیتے تھے۔ پھر کسی کو شاید یہ بھی نہیں پتا تھا کہ آدھی مونچھ کا اصل نام کیا ہے۔ وہ کیا کرتا ہے؟ کہاں رہتا ہے؟ نوید اکثر سوچتا تھا کہ آدھی مونچھ کی آدھی مونچھ کیوں نہیں ہے.... اور اگر اس کی پوری مونچھ ہے تو پھر اس کو آدھی مونچھ کیوں کہتے ہیں؟ وہ آدھی مونچھ کے نام سے کیوں چڑتا ہے.....
پھر نوید کو وہ تمام واقعات یاد آنے لگے جن کا انجام یہی ہوتا تھا کہ آدھی مونچھ پتھر اُٹھا لیتا تھا مگر آج تک اس نے پتھر کسی کو مارا نہیں تھا۔
اسی لمحے ایک زور دار ہاتھ نوید کی کمر پر پڑا۔ وسیم نے اس سے کہا، "کن سوچوں میں

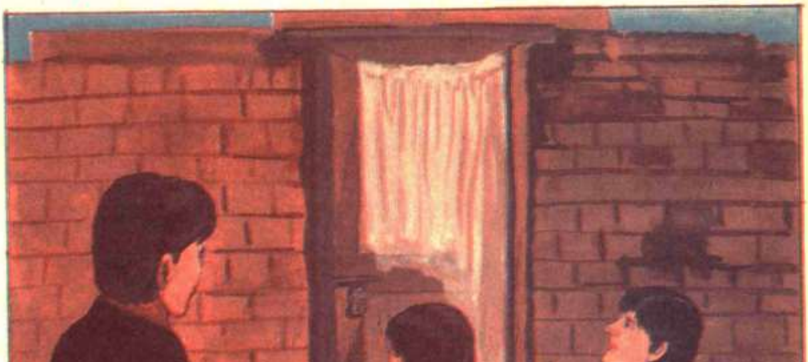

گم ہو؟"

"کچھ نہیں، ایسے ہی آدھی مونچھ کے بارے میں سوچ رہا تھا۔" نوید نے اپنی کمر سہلاتے ہوئے کہا۔

"اچھا یہ بتاؤ باغ چلوگے؟ وہاں جھولیں گے کھیلیں گے۔" نوید نے وسیم کے کان میں کچھ کہا "چلو۔" نوید نے کہا اور سب اُٹھ کھڑے ہوئے۔

باغ میں جھولا جھولنے اور کھیلنے کے علاوہ ایک تفریح اور ان کے ہاتھ آگئی۔ آدھی مونچھ وہاں ایک کونے میں بیٹھا ہوا تھا۔ اس کی آنکھیں بند تھیں۔ پتا نہیں وہ کس سوچ میں گُم تھا

نوید نے پوچھا، "کیا تمام تیاریاں ہوگئیں؟"

وسیم نے کہا، "تمام تیاریاں مکمل ہوگئی ہیں۔ سامان بھی نیا ہے اور وقت بھی ہو رہا ہے مگر یہ کام کرے گا کون؟ یہ تو ہم نے طے کیا ہی نہیں۔" سب سوچ میں پڑ گئے۔ نوید تمام لڑکوں کی طرف دیکھ رہا تھا مگر ان میں سے کوئی بھی یہ کام کرنے پر تیار نظر نہیں آرہا تھا۔

نوید نے کہا، "ٹھیک ہے.... یہ کام میں خود ہی کروں گا۔ لاؤ سامان مجھے دے دو۔ اب کمانڈو اپریشن شروع ہونے والا ہے۔"

امان نے "سامان" نوید کے حوالے کر دیا۔ پھر تمام بچے آنے والے سنسنی خیز لمحات کے بارے میں سوچتے سوچتے آہستہ آہستہ آگے بڑھنے لگے۔ ان کا رُخ باغ کی طرف تھا۔

آدھی مونچھ حسبِ معمول باغ میں بیٹھا تھا۔ اس کی آنکھیں بند تھیں۔ شاید سو رہا تھا۔ نوید نہایت آہستگی سے اُس کے قریب جا رہا تھا۔ شعیب، وسیم، امان، بابر محمود وغیرہ سب دُور کھڑے تماشا دیکھ رہے تھے۔ آج وہ کام ہونے والا تھا جس کا انھیں بہت دن سے انتظار تھا۔ آج آدھی مونچھ کو آدھی مونچھ بنایا جانے والا تھا اور یہ کام نوید کو کرنا تھا۔

نوید ایک ہاتھ میں ریزر لیے آدھی مونچھ کے قریب پہنچ گیا۔ سب لڑکوں نے اپنے سانس روک لیے۔ نوید کا کانپتا ہوا ہاتھ آگے بڑھا اور واپس آگیا۔

آدھی مونچھ نے اچانک جماہی لی اور نوید اپنی جگہ پر جم گیا۔ اس سے تو ہلا بھی نہیں جا رہا تھا۔ پھر آدھی مونچھ دوبارہ سو گیا۔ نوید نے تمام لڑکوں کو دیکھا۔ وہ سب بے چین تھے۔ انھوں نے اشارے سے نوید کی ہمت بڑھائی۔ اس نے ایک بار پھر کوشش کی۔ ایک دفعہ پھر نوید کا ہاتھ آگے بڑھا اور پھر ایک جھٹکے سے آدھی مونچھ کی مونچھیں آدھی ہو گئیں۔ آدھی مونچھ ہڑبڑا کر اُٹھ بیٹھا..... نوید اب بھاگنا چاہ رہا تھا مگر اس کی ٹانگوں کو جیسے زمین نے جکڑ لیا تھا۔ اسی وقت تمام لڑکوں نے ایک زور دار نعرہ لگایا:

"آدھی مونچھ!"

مگر اس دفعہ آدھی مونچھ پتھر اُٹھانے کے لیے نہیں جُھکا۔ وہ پہلے تو اپنی مونچھوں پر ہاتھ پھیرتا رہا۔ پھر اس نے جُھک کر اپنی کٹی ہوئی مونچھ کے بال چُننے شروع کر دیے۔ بال جمع کرنے کے بعد وہ اُٹھ کھڑا ہوا۔ وہ خاموشی سے ان لڑکوں کو دیکھ رہا تھا۔ پھر آدھی مونچھ کی آنکھوں سے آنسو بہ نکلے۔ نہ جانے ان آنسوؤں میں کیا تھا کہ نوید اور اس کے ساتھیوں کے دِل کانپ اُٹھے۔ نوید کو ایسا محسوس ہو رہا تھا کہ اس نے ریزر مونچھوں پر نہیں اس کی گردن پر چلایا ہو۔ وہ اپنے آپ کو قاتل محسوس کر رہا تھا۔ آدھی مونچھ کا قاتل....

آدھی مونچھ نے آخری بار نوید کو دیکھا اور پھر مُڑ کر چلا گیا۔

دوسرے روز نوید پھر باغ میں پہنچا مگر آج وہ جگہ خالی تھی۔ آدھی مونچھ نہیں آیا تھا۔ نوید سوچ رہا تھا کہ وہ ناراض ہو گیا ہے۔ اب وہ نہیں آئے گا۔ محمود، بابر، شعیب، امان، وسیم سب لڑکے موجود تھے اور سب ہی خاموش تھے۔

"وسیم.... وسیم.... یہ.... یہ میں نے کیا کیا.... یہ میں نے کیا کیا...." نوید کی آواز بھرّا گئی۔

بابر نے کہا، "چلو کسی طرح اسے ڈھونڈتے ہیں.... پھر معافی مانگیں گے...."

"ہاں.... میں معافی مانگوں گا.... میں ضرور مانگوں گا معافی.... چلو جلدی سے اس کو تلاش کرتے ہیں۔" نوید نے کہا اور تلاش میں نکل کھڑا ہوا۔ سب نے اسے کافی

تلاش کیا مگر وہ نہ ملا۔

امان نے تجویز پیش کی، "میرے خیال میں رحمانی صاحب ضرور اس کے بارے میں جانتے ہوں گے.... وہ ہمیشہ ہم کو سمجھاتے تھے کہ اُسے نہ ستایا کریں۔"

آدھے گھنٹے تک ڈھونڈنے کے باوجود آدھی مونچھ کا کوئی سراغ نہیں ملا۔ آخر میں وہ رحمانی صاحب کے پاس پہنچے۔

تھوڑی دیر بعد رحمانی صاحب بچّوں کو لے کر سرفراز عرف آدھی مونچھ کے گھر پہنچے۔ کافی دُور چلنے کے بعد وہ ایک ٹوٹے پھوٹے پُرانے سے مکان کے سامنے جاکر رُک گئے۔ انھوں نے حیران ہوتے ہوئے کہا، "ارے! دروازے پر تو تالا پڑا ہوا ہے۔ خیر تم بتاؤ کہ بات کیا ہے؟" نوید نے ساری بات سچ سچ ان کو بتادی۔ رحمانی صاحب نے افسوس سے کہا:

"یہ تم نے کیا کیا، بے چارہ سرفراز۔ اس کو اس دنیا میں صرف دو چیزیں ہی تو عزیز تھیں۔ ایک اس کی مونچھیں اور دوسرے تم..... ہاں نوید..... تم..... شاید تم کو پتا نہیں مگر وہ تمھیں بہت چاہتا تھا۔ وہ اکثر یہ کہتا تھا کہ تم میں اس کو اپنے مرحوم بیٹے کی جھلک نظر آتی ہے جو ٹرین کے حادثے میں ہلاک ہوگیا تھا..... تمھاری والدہ کو ہر مہینے جو سو رُپے کا منی آرڈر ملتا تھا وہ سرفراز ہی بھیجتا تھا.... مگر تم نے تو حد ہی کر دی۔ آدھی مونچھ کہتے کہتے اس کی مونچھ ہی کاٹ دی..... تم نے وہ استرا اس کی مونچھ پر نہیں اس کے دل پر چلایا ہے نوید....."

"آپ لوگ سرفراز کو پوچھنے آئے ہیں؟" ایک آواز سُن کر وہ سب گھوم گئے۔ وہ اس کا پڑوسی تھا۔

رحمانی صاحب نے کہا، "جی، ہمیں ان سے ملنا تھا۔"

پڑوسی نے بتایا کہ سرفراز یہاں سے چلا گیا ہے۔ جاتے ہوئے یہ لفافہ دے گیا تھا۔ رحمانی صاحب نے وہ لفافہ لے لیا۔ اس پر نوید کا نام لکھا ہوا تھا۔ نوید نے لفافہ کھولا۔ اندر سے ایک خط، ایک پلاسٹک کی تھیلی اور تین سو رُپے نکلے۔ پلاسٹک کی تھیلی میں اس کی مونچھوں کے بال تھے۔ خط نوید نے پڑھنا شروع کیا:

میرے پیارے نوید!
میں نے کبھی یہ بات تمھیں نہیں بتائی کہ میں تمھیں کتنا چاہتا ہوں۔ تم مجھے اپنے بیٹے کی طرح عزیز ہو۔ میں تمھیں دیکھ دیکھ کر جیتا تھا۔ مگر نہ جانے کیوں تم مجھ سے نفرت کرتے ہو۔ مجھے بہت تنگ کرتے ہو۔ لیکن تمھارا آدھی مونچھ کہنا مجھے بہت اچھا لگتا تھا۔ میں مذاق میں ناراض ہو جاتا اور جھوٹ موٹ پتّھر اُٹھا لیتا... مگر میں تمھیں کس طرح مار سکتا تھا۔ تم تو میرے اپنے بیٹے ہو۔ تمھاری چھوٹی موٹی شرارتوں پر میرا دل خوش ہو جاتا تھا۔ مگر تمھیں تو مجھ سے نفرت تھی۔ ہاں.... تمھیں مجھ سے نفرت تھی جب ہی تو تم نے کل وہ حرکت کی۔ جب تمھیں مجھ سے اتنی نفرت ہے تو پھر میرا یہاں رہنا بھی بے کار ہے۔ میں تم سے بہت دُور جا رہا ہوں، اتنی دُور کہ پھر تم کبھی مجھے نہ دیکھ سکو گے.... تمھارے لیے تین سو رُپے چھوڑے جا رہا ہوں جو میری کُل پونجی ہے۔ اور ہاں! میری مونچھ جو تمھیں پسند نہ تھیں تمھارے ہی حوالے کر کے جا رہا ہوں۔ اللہ تمھیں اپنی امان میں رکھے۔

تمھارا
آدھی مونچھ

نوید کی آنکھوں کے آگے اندھیرا چھا گیا۔ خط اس کے ہاتھ سے چھوٹ کر گر پڑا۔ اس کو بہت دیر ہو چکی تھی۔ اس نے پلاسٹک کی تھیلی میں بند مونچھوں کو اپنے سینے سے لگا لیا۔ اور اس کی آنکھوں سے آنسو بہ نکلے۔

رومال

فرانس میں ایک اخبار "رومال" نکلا کرتا تھا جو رومالوں پر چھپتا تھا۔ اس کے مدیر کا خیال تھا کہ اخبار پڑھنے والے حضرات اس کے مطالعے سے فارغ ہو جائیں تو اس سے منھ صاف کرنے کا کام لے سکتے ہیں۔

مرسلہ: عظمیٰ تسنیم، کراچی

کثیر خلیاتی حیوانات کی ابتدا ــ سیلنٹریٹا

ڈاکٹر منظور احمد

سیلنٹریٹا (COELENTRATA) حیوانات کے اس گروہ کا نام ہے، جن سے باقی کثیر خلیاتی حیوانات کی ابتدا ہوئی۔ کثیر خلیاتی حیوانات میں انسان، دُودھیلے حیوانات، پرندے، ہوام، جل تھلیے، مچھلیاں، حشرات، جھینگے، کیچوے، دودے اور بہت سے دوسرے حیوانات شامل ہیں۔ ان سب میں یہ بات مشترک ہے کہ ان کے جسم ہزاروں، لاکھوں خلیوں سے مل کر بنے ہوتے ہیں اور سارا جسم مختلف نظاموں کے تحت چلتا ہے جس کے لیے بے شمار متعلقہ خلیے ایک دوسرے سے تعاون کرتے ہیں اور مل کر ایک کام انجام دیتے ہیں۔ یہ صورت یک خلیاتی حیوانات (پروٹوزوا) میں نہ تو ہوتی ہے اور نہ ہوسکتی ہے۔

شکل و صورت کے لحاظ سے سیلنٹریٹا واضح طور پر دو طرح کے ہوتے ہیں۔ ایک شکل جو سیدھے رکھے ہوئے گُل دستے سے ظاہری طور پر ملتی جُلتی ہے اُسے پالِپ (POLYP) کہتے ہیں۔ (شکل ۱) اور اگر گل دستے کو اُلٹا رکھ دیا جائے تو جو شکل بنتی ہے اُسے میڈوسا (MEDUSA) کہتے ہیں۔ (شکل ۲) لیکن شکلوں کی اس سادگی کے باوجود سیلنٹریٹا میں

شکل ۱

شکل ۲

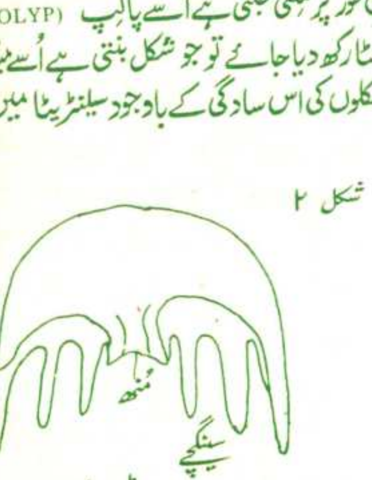

بہت دِل چسپ اور اُلجھے ہوئے معاملوں سے بھی واسطہ پڑتا ہے۔ کچھ حیوانات تو مستقل طور پر پالِپ کی شکل میں ہی رہتے ہیں، مثلاً ہائیڈرا (HYDRA) اور کچھ مستقل میڈوسا کی شکل میں رہتے ہیں جیسے جیلی فش۔

لیکن کچھ ایسے بھی ہیں جو ہائیڈرا یا جیلی فش کی طرح الگ الگ رہنے کے بجائے درخت کی شاخوں کی طرح عام جمگھٹوں میں یا آبادیوں (کالونیوں) میں رہتے ہیں ان کی مشترکہ ایک دوسرے سے جُڑی ہوئی آبادیوں میں دونوں قسم کے افراد ملتے ہیں۔ کچھ پالِپ کی شکل کے اور کچھ میڈوسا کی شکل کے۔ بعض کالونیوں کی صورت میں رہنے والے سیلنٹریٹا میں افراد کی شکل صرف پالِپ اور میڈوسا تک محدود نہیں رہتی، بلکہ کئی دوسری قسموں کے افراد بھی پیدا ہو جاتے ہیں۔ مثلاً فائسیلیا میں جسے پرتگیزی جنگ جُو آدمی کہتے ہیں۔ (شکل ۳)

شکل ۲

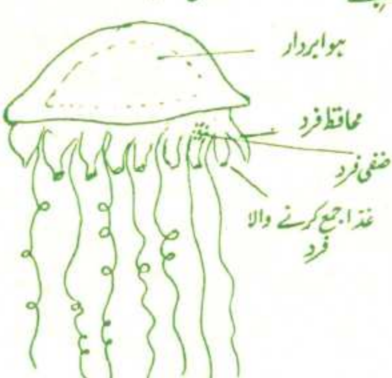

فائسیلیا کالونی

یہ افراد کی کالونی ایک ہوا بردار کی مدد سے سمندر کی سطح پر تیرتی رہتی ہے۔ کالونی کی ظاہری شکل ایک چھتری کی طرح ہوتی ہے جو کسی حد تک میڈوسا سے ملتی جُلتی ہے۔ افراد کی شکل اور کام مختلف ہوتے ہیں۔ ایسی صورت جس میں کسی ایک قسم یا نوع کے مختلف افراد دو یا زیادہ شکلوں میں پائے جائیں اور پھر بھی ایک نوع میں شمار ہوں تو اس صورت کو کثیر شکلیت (POLYMORPHISM) کہتے ہیں۔ یاد رکھنا چاہیے کہ کثیر شکلیت سیلنٹریٹا میں عام ہے اور دراصل کالونیوں میں رہنے والی قسموں میں یہ بہت فائدہ مند ہے کہ مختلف افراد کے ذمّے مختلف فرائض ہوں جو سب کالونی کی بہتری کے لیے ہوں۔

سیلنٹریٹا کی شکل چاہے پالِپ کی طرح کی ہو یا میڈوسا کی طرح، وہ اپنی خصوصیتوں میں باقی کثیر خلیاتی حیوانات مثلاً کیچوے، جھینگے، گھونگھے وغیرہ وغیرہ سے بہت مختلف بھی ہیں۔ مثلاً سیلنٹریٹا میں خوراک کے جسم میں داخل ہونے کے لیے جو منھ ہے اسی کے راستے

خوراک کے بے کار مادّے باہر خارج بھی ہوتے ہیں۔ جب کہ کیچوؤں، جھینگوں، گھونگھوں مچھلیوں وغیرہ میں خوراک منھ کے ذریعہ سے داخل ہوتی ہے اور آنت میں سے گزرنے کے دوران ہضم ہوتی ہے اور آخر مقعد کے راستے بے کار مادّے باہر خارج ہو جاتے ہیں۔

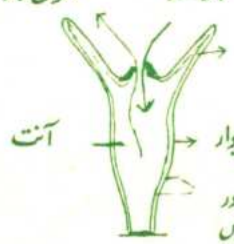

شکل ۴ سیلنٹریٹا - ایک پالپ

دوسری اہم خاصیت جس میں سیلنٹریٹا باقی تمام کثیر خلیاتی حیوانات سے مختلف ہیں۔ یہ ہے کہ سیلنٹریٹا میں جسم کی دیوار دو تہوں سے بنی ہوتی ہے جب کہ باقی تمام کثیر خلیاتی حیوانات کے جسموں کی دیوار میں تین تہیں ہوتی ہیں۔ (شکل ۴)

سیلنٹریٹا میں پالپ اور میڈوسا کی صورت والے حیوانات اپنے طرز زندگی میں بھی کافی الگ تھلگ ہیں۔ پالپ اکثر و بیش تر کسی سطح پر جُڑے ہوئے ہوتے ہیں اور بہت کم حرکت کر سکتے ہیں، جب کہ میڈوسا ہمیشہ پانی کی لہروں پر پھسلتے یا تیرتے ہوئے ملتے ہیں۔ جب ضرورت پڑتی ہے تو پالپ سے میڈوسا پیدا ہو جاتے ہیں اور میڈوسا سے پالپ۔

پالپ ←

میڈوسا →

کچھ برسوں سے سیلنٹریٹا میں شامل حیوانات کا نام نائیڈیریا (NIDARIA) رکھا گیا ہے، جس کو اردو زبان میں "کوڑے بردار حیوانات" کہا جا سکتا ہے۔ ان کے نام سے ظاہر ہے کہ ان کے اندر کوڑے پوشیدہ ہوتے ہیں۔ یہ کوڑے بہ وقتِ ضرورت برسائے بھی جا سکتے ہیں۔ کوڑا ایک لمبا سا دھاگا ہوتا ہے جو ایک کوڑا بردار خلیے میں تہ کر کے رکھا ہوا ہوتا ہے

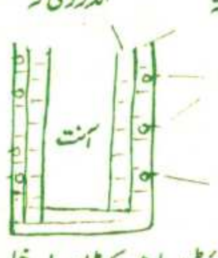

شکل ۵ نائیڈیریا میں کوڑا بردار خلیے

یہ خلیہ ان حیوانات کے جسم کی بیرونی تہ میں جگہ جگہ موجود ہوتا ہے۔ اس خلیے کی ایک حسّاس نوک جسم سے باہر اُبھری ہوئی رہتی ہے (شکل نمبر ۵) جب کہ خلیے کا کوڑا بردار خول خلیے کے اندر رہتا ہے۔ جونہی کوئی حیوان پانی میں تیرتے ہوئے کوڑا بردار خلیے کی اُبھری ہوئی حسّاس نوک کو چھوتا ہے تو کوڑے کا خول سُکڑتا ہے۔ اس کے اوپر والا ڈھکنا جھٹکے سے کھلتا ہے (شکل نمبر ۶) اور کوڑا تیزی سے باہر کی طرف لپکتا ہے۔ اس کے ساتھ ہی خول میں سے ایک جلن پیدا کرنے والا مائع خارج ہوتا ہے اور یہ سارا عمل اس قدر تیزی سے مکمل ہوتا ہے کہ اس میں مشکل سے ایک سیکنڈ کے دو سو ویں حصّے کے برابر وقت لگتا ہے۔ یعنی اگر کسی جسم سے کوڑے مسلسل برسائے جا رہے ہوں تو ایک سیکنڈ میں دو سو کے لگ بھگ کوڑے برس جائیں گے۔

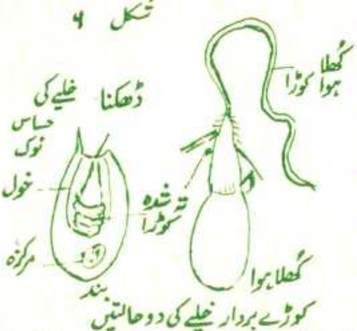

شکل ۶
کوڑے بردار خلیے کی دو حالتیں

نائیڈیریا کے جسموں سے خارج ہونے والے یہ دھاگے نما کوڑے بے شک خُردبینی ہوتے ہیں، لیکن اُن کی حفاظت کے بہت اچھے نظام ہیں۔ اس کے علاوہ ان سے اور بھی کئی کام لیے جاتے ہیں۔ اگرچہ ان کا اصل کام شکار کو بے بس کرنا ہوتا ہے جس کے لیے کوڑے کا باریک اور لمبا تار شکار کے چاروں طرف لپٹ کر اُسے بے حس و حرکت کر دیتا ہے۔ (شکل نمبر ۷) بعض اوقات لپٹتی ہوئی کوڑے کی تار سے چھڑانے کے دوران شکار کی جدوجہد کئی دوسرے کوڑوں کی تاروں کو متحرک کر دیتی ہے، جس کی وجہ سے ایک ہی شکار کو خاموش کرنے کے لیے کئی کوڑوں کے تار اس کے گرد لپٹ جاتے ہیں۔

شکل ۷

نائیڈیریا میں کوڑوں کے استعمال کا ایک دوسرا طریقہ یہ ہے کہ خلیے سے نکلنے والے تار اتنی تیز رفتاری سے باہر آتے ہیں کہ وہ شکار کے جسم سے ٹکرا کر زخم پیدا کر دیتے ہیں۔ جس میں جلن پیدا کرنے والے مائعات داخل ہو کر اُسے وقتی طور پر بے ہوش کر دیتے ہیں اور نائیڈیریا حیوان دونوں صورتوں میں اپنے شکار کو اپنے سینگچوں (TENTACLES)

کی مدد سے منھ کی طرف کھینچ لیتا ہے۔ بعض کوڑوں کی نوک مضبوطی سے چپکنے والی ہوتی ہے۔ جب وہ کوڑا کسی ہلکے پھلکے تیرتے ہوئے خُرد بینی حیوان سے ٹکراتا ہے تو اسے اپنی نوک کے ساتھ چپکا لیتا ہے اور ایک دفعہ پھر سینگچے اس کو اپنی طرف کھینچ کر منھ میں ڈال لیتے ہیں۔ سینگچے اپنی خوراک کو منھ کی طرف لے جانے کے لیے پانی میں لہریں پیدا کرتے ہیں۔ کوڑے بردار خلیے اِن حیوانات میں ہر جگہ حتیٰ کہ سینگچوں پر بھی موجود ہوتے ہیں اور اِن کی زندگی میں بہت اہم حصّے دار ہیں۔

ان کوڑے بردار خلیوں کے ارتقا (EVOLUTION) میں اس قدر اہمیت ظاہر ہوئی ہے کہ کئی حیوانات نائیڈیریا کی کالونیوں کے آس پاس یا ساتھ رہنا پسند کرتے ہیں، بلکہ کئی طرح سے اُن کے ساتھ تعاون کرتے ہیں تاکہ اُن کی قُربت میں وہ بھی نائیڈیریا کے کوڑوں کا بالواسطہ فائدہ اٹھائیں۔ اکثر نقصان پہنچانے والے حیوانات کوڑوں کے برستے کے خوف سے نائیڈیریا کے قریب نہیں آتے، اس لیے جو بھی نائیڈیریا کے ساتھ تعاون سے رہتا ہے وہ بھی محفوظ رہتا ہے۔

سارے بچّوں کی پہلی پسند!

گارنٹی کے ساتھ پینسل کی نوک نہیں توڑتے

انڈس شارپنز

ظلم اور دُعا

سید غفران احمد، کراچی

ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ ایک عالم بادشاہ کے جسم پر ایک ایسا پھوڑا نکل آیا جس میں سخت جلن تھی۔ بادشاہ نے بہت علاج کرایا لیکن پھوڑا ٹھیک ہونے کے بجائے بڑھتا ہی گیا اور بادشاہ اس پھوڑے کی تکلیف سے سوکھ کر کانٹا ہو گیا۔

ایک درباری نے بادشاہ کو ایک بزرگ کا پتا بتایا جن کے متعلق مشہور تھا کہ ان کی دُعا قبول ہوتی ہے۔ بادشاہ نے ان بزرگ سے درخواست کی کہ میرے لیے دُعا کریں۔ بزرگ نے فرمایا، "اے بادشاہ! مجھ ایک شخص کی دُعا اُن لاکھوں مظلوموں کی بد دعاؤں کا مقابلہ نہیں کر سکے گی جو تیرے ہاتھوں تکلیفوں میں مبتلا ہیں۔ جب تک تو ان پر رحم نہیں کرے گا اللہ تعالیٰ تجھ پر بھی رحم نہیں کرے گا۔"

بادشاہ پر بزرگ کی باتوں کا بہت اثر ہوا۔ اس نے حکم دیا کہ تمام قیدیوں کو فوراً رہا کر دیا جائے اور آئندہ سے کسی بے گناہ پر ظلم نہ ہو۔

جب بزرگ کو اطمینان ہو گیا کہ بادشاہ نیکی کی طرف مائل ہے تو بزرگ نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی: "اے اللہ! تو نے اس بادشاہ کو اس لیے تکلیف میں مبتلا کیا کہ یہ تیرے بندوں کو تکلیف دے رہا تھا۔ اب اس نے اس بُرائی سے توبہ کر لی ہے تو تو بھی اس کی تکلیف کو دُور فرما دے۔" ابھی بزرگ کی دُعا ختم ہی ہوئی تھی کہ اللہ نے بادشاہ کو شفا عطا فرمائی۔ بادشاہ نے حکم دیا کہ بزرگ پر زر و جواہر نچھاور کیے جائیں۔ بزرگ نے ان زر و جواہر کو ٹھکراتے ہوئے کہا، "اے بادشاہ! مجھے ان زر و جواہر کی ضرورت نہیں ہے اور ان زر و جواہر سے تیرے مرض کا تعلق اور نا انصافی بھی نہیں ہے۔ میری ایک نصیحت یاد رکھنا کہ تم پھر سے ظلم نہ شروع کر دینا، ورنہ پھر بیمار ہو گئے تو شاید کسی دعا سے بھی فائدہ نہ ہو سکے۔ انسان ایک بار پھسل کر سنبھل سکتا ہے، بار بار پھسلنے والے کو سہارا ملنا مشکل ہے۔"

آخری نغمہ

ثریا فرخ

جو کہانی میں آپ کو سنانے والی ہوں ہو سکتا ہے کہ آپ کو عجیب لگے، مگر یہ عجیب و غریب کہانی میری پیاری بیٹی شہلا کی ہے۔ شہلا جو بے حد ذہین تھی اور عام بچوں سے بالکل الگ۔ یوں تو دُنیا کی ہر ماں کو اپنا بچہ سب سے الگ لگتا ہے مگر میری یہ بچّی واقعی سب سے بہت مختلف تھی، اس کا اندازہ آپ کو ابھی یہ کہانی پڑھ کر ہو جائے گا۔

میرے شوہر ملک کے مشہور اور ماہر ستار نواز تھے۔ شہلا کی پیدائش کے بعد انھیں اچانک کینسر جیسی بیماری نے آ لیا اور جب شہلا آٹھ مہینے کی تھی تو وہ اس دنیا سے رخصت ہو گئے۔ شہلا کی پیدائش کے پہلے دن سے وہ اس کے پاس دیر تک بیٹھتے۔ اُسے مختلف دُھنیں سُناتے۔ وہ مجھ سے اکثر کہتے، "دیکھو یہ کتنے غور سے سُن رہی ہے۔" شروع شروع میں تو میں یہی سمجھتی رہی کہ یہ ان کی محبّت ہے جو انھیں ایسا سوچنے پر مجبور کر رہی ہے۔ مگر جلد ہی میں نے بھی یہ محسوس کیا کہ شہلا ان دُھنوں کو سمجھتی ہے۔ وہ اپنے مُنھ کو ایسے کھولتی جیسے گا رہی ہو۔ مجھے تو اس کے رونے میں بھی موسیقیت نظر آتی۔ میرے شوہر نے مرنے سے پہلے مجھ سے کہا، "وعدہ کرو! تم اسے بھی میرا فن سکھاؤ گی۔ کاش یہ موسیقی میں کوئی نام پیدا کر سکے۔" جوں جوں بچّی بڑی ہوتی گئی موسیقی سے اس کی دل چسپی بڑھتی گئی۔ صرف دو برس کی عمر میں وہ آرگن پر ہلکی پھلکی دُھنیں بجا لیتی تھی۔ تین برس کی عمر سے اُسے سِتار بجانا بھی آ گیا۔ اب اس کے اسکول جانے کی عمر آ گئی تھی۔ دو سال تک اس نے گھر کے قریب ہی مانٹسوری اسکول میں پڑھا۔ اس عرصے میں میرے پاس اس کے ابّو کی جمع شدہ رقم بھی تقریباً ختم ہو چکی تھی۔ میں نے حالات دیکھتے ہوئے بنک میں ملازمت کر لی اور شہلا کو مری کے ایک بڑے اسکول میں داخل کر دیا۔

تھوڑے ہی عرصے میں شہلا کی شہرت آس پاس کے سب اسکولوں میں پہنچ گئی۔ وہ اتنی اچھی طرح گاتی کہ سب حیران ہو جاتے۔ جب بھی اس کے اسکول میں کوئی مقابلہ ہوتا وہ اس کا کیسٹ بھر کر مجھے بھیجتی۔ میں اس کے گائے ہوئے گانے اور قومی نغمے بار بار سنتی۔

جب وہ سات برس کی ہوئی تو اُس نے مجھے خط لکھا۔ اگرچہ اس خط میں بہت سی غلطیاں تھیں، پھر بھی مجھے اس بات کی بے حد خوشی ہوئی کہ شہلا اس قابل ہو گئی کہ اپنے ہاتھ سے مجھے خط لکھ سکے۔ اس کے بعد اس نے اپنا ایک کیسٹ بھیجا جس میں اس نے "یہ دیس ہمارا ہے" گایا تھا۔ اس گانے پر اُسے اپنے اسکول کے سالانہ جلسے میں پہلا انعام ملا تھا۔ یہ اس قدر پیارا تھا کہ میں نے اسے بار بار سُنا۔ میں نے سوچا ایسا نہ ہو کہ یہ اتنا پیارا گیت مجھ سے کہیں کھو جائے، کیوں نہ ایک اور خالی کیسٹ پر اسے رِکارڈ کر لوں۔ یہ سوچ کر میں بنک سے واپسی میں ایک بالکل نیا کیسٹ خریدتی لائی۔ یہ کیسٹ میں نے سنبھال کر رکھ لیا کہ اس پر جمعہ کو شہلا کا گانا ٹیپ کر لوں گی۔

بدھ کی شام۔ شہلا کا فون آیا:

"السلام علیکم امی!"

"جیتی رہو۔"

"امی ہمارے شِشماہی امتحان ختم ہو گئے ہیں اور میڈم نے چھٹیوں میں گھر جانے کی اجازت دے دی ہے۔"

"بہت خوب! پھر میں آ رہی ہوں تمھیں لینے۔" میں ایک دم سے خوش ہو گئی۔

"نہیں امی! آپ کے آنے کی ضرورت نہیں۔ میری سہیلی ہے نا شاہین! اس کے ابو اسے لینے آ رہے ہیں آپ اجازت دیں تو میں انھی کے ساتھ آ جاؤں؟"

"ہاں ہاں بیٹی ضرور۔ پھر تم کس وقت تک آ جاؤ گی؟"

"بس ہم جمعرات کو رات تک پہنچ جائیں گے۔ اس کے ابو پانچ بجے تک ہاسٹل پہنچ جائیں گے اور پھر ہم فوراً ہی مری سے چل دیں گے۔"

"ٹھیک ہے۔"
"اچھا امّی! اللہ حافظ۔" شہلا نے کہا۔
"سنو بیٹی! یہ تو بتاؤ تمھارے لیے کیا پکا لوں؟ میری بٹیا آ کے کیا کھائے گی؟"
"امّی، آپ کو پتا ہی ہے مجھے مرغی کا قورمہ کتنا پسند ہے۔ بس وہی پکا لیں۔"
"ضرور بیٹی! ضرور۔"
ہاں امّی ایک بات اور۔ ۲۴ تاریخ کو ہمارا مقابلہ پنڈی کے تمام اسکولوں سے ہے اس کے لیے میں نے ایک قومی نغمہ تیار کر لیا ہے۔ آکر آپ کو سناؤں گی۔"
"اچھا بیٹی، اچھا اللہ حافظ۔"
"اللہ حافظ امّی!"
شکر ہے، شہلا اس دفعہ چھے مہینے میں ہی گھر آ جائے گی۔ ورنہ اس اسکول کے قوانین اتنے سخت تھے کہ بچّہ سال میں صرف ایک مرتبہ ہی گھر جا سکتا تھا، یعنی سالانہ امتحانات کے بعد۔ میں نے سوچا کہ شہلا جو گانا مقابلہ میں گائے گی میں وہ گانا بھی اس نئے کیسٹ میں بھر لوں گی۔
جمعرات کی صبح سے ہی میں بہت خوش تھی۔ شام کو میں نے جلدی جلدی مرغی کا قورمہ پکایا۔ تھوڑے سے چاول بنائے اور شہلا کی پسندیدہ چیز چپس تلے۔ افوہ! اچانک ہی مجھے یاد آیا میں روح افزا تو لانا بھول ہی گئی۔ شہلا کا پسندیدہ مشروب! جلدی سے میں نے گاڑی نکالی۔ اتفاق سے قریب کے اسٹور میں روح افزا ختم ہو چکا تھا۔ میں مارکیٹ چلی گئی۔ راستے میں خاصا رش تھا۔ مجھے کچھ دیر ہو گئی۔ اللہ کرے شہلا ابھی نہ پہنچی ہو، ورنہ مجھے گھر میں نہ دیکھ کر بہت اُداس ہو جائے گی۔ میں دل ہی دل میں دعا مانگتے ہوئے گھر واپس پہنچی۔ ارے یہ کیا؟ پولس کی گاڑی دیکھ کر میرا دل دھک سے رہ گیا۔
"معاف کیجیے گا کیا آپ ہی مسز حامد ہیں؟"
"جی!" میں نے لرزتی ہوئی آواز میں کہا۔
خاتون پولس افسر نے میرے کندھے پر ہاتھ رکھا۔
"صبر کیجیے۔ جو اللہ کی منشا ہو۔" پھر وہ نہ جانے کیا کیا کہتی رہی میری سمجھ میں تو بس یہ آیا کہ سڑک پر حادثے میں میری بچّی اللہ کو پیاری ہو گئی۔

آہ شہلا ! میری معصوم بچّی !!

میں کانپتی ٹانگوں کے ساتھ صوفے پر گر گئی۔ تھوڑی دیر کے بعد میں نے خود پر قابو پایا۔ میرے مُنھ سے یہ الفاظ نکلے :

"آپ ... آپ لوگ چلے جائیں۔ میں ٹھیک ہوں۔"

"کیا آپ واقعی ٹھیک ہیں ؟"

"جی، آپ مجھے تنہا چھوڑ دیں۔"

میں نے اُٹھ کر کیسٹ لگایا۔ میری شہلا کی آواز ! یہ تو کوئی نیا نغمہ تھا۔ کوئی نیا قومی نغمہ جو میں نے کبھی نہ سُنا تھا۔ میں نے غور کیا۔ شہلا کی آواز تھی۔ بہت ہی خوب صورت نغمہ گا رہی تھی۔ یہ کیا ؟ میں نے پھر غور سے دیکھا۔ یہ تو وہ کیسٹ تھا جو میں نے کل بالکل نیا بازار سے خریدا تھا۔ شہلا کی خوب صورت آواز اب بھی اس کیسٹ سے آرہی تھی۔ میں نے کیسٹ ریوائنڈ کیا۔

دوبارہ سُنا ! بلاشبہ یہ میری شہلا کی آواز تھی۔ دو تین مرتبہ میں نے یہ کیسٹ لگایا۔ یہ نیا نغمہ میری شہلا ہی گا رہی تھی۔

پھر میں نے اس کو ایک اور کیسٹ پر رِکارڈ کیا اور یہ کیسٹ ۱۴ تاریخ کے مقابلے میں شامل کرنے کے لیے پنڈی بھیج دیا۔

مقابلے کے آخر میں مہمان خصوصی نے اعلان کیا :

"پہلا انعام شہلا حامد کے لیے جنھوں نے یہ نغمہ اپنے انتقال سے پہلے رِکارڈ کیا۔ ہمیں افسوس ہے کہ وہ اب ہم میں نہیں۔"

مگر مجھے ایسا لگتا ہے جیسے اس نے یہ نغمہ اپنے انتقال کے بعد رکارڈ کیا تھا۔

اہم موقعوں کی مناسبت سے لکھے جانے والے مضامین تین ماہ پہلے روانہ کریں۔ تاریخ، شخصیات، تحقیق، سائنس اور اہم واقعات پر لکھے گئے مضامین بھیجتے وقت ان کتابوں کا حوالہ ضرور دیں جن کی مدد سے آپ نے مضمون تیار کیا۔ معلوماتی مضامین لکھتے وقت آپ مختلف کتابوں سے تحقیق کر لیا کریں۔

ہمدرد انسائکلوپیڈیا

س: سورج یا تیز روشنی پر کچھ دیر نظر جمائے رکھنے کے بعد ہمیں چاروں طرف اندھیرا کیوں معلوم ہوتا ہے؟
پرنس حامد علی شاہد، لاڑہ

ج: ہماری آنکھ کی پُتلی میں قدرتی طور پر یہ صفت پائی جاتی ہے کہ وہ تیز روشنی میں سُکڑ جاتی ہے تاکہ آنکھ میں زیادہ روشنی داخل نہ ہو اور اُسے نقصان نہ پہنچے۔ اندھیرے میں ہماری پُتلی کچھ پھیل جاتی ہے تاکہ آنکھ میں زیادہ روشنی داخل ہو سکے اور ہم اندھیرے میں بھی چاروں طرف کی چیزیں دیکھ سکیں۔ جب آپ سورج پر نظر ڈالتے ہیں۔ (ایسا ہرگز نہیں کرنا چاہیے) یا کسی تیز روشنی کو کچھ دیر دیکھ کر نظر ہٹاتے ہیں تو آپ کی آنکھ کی پُتلی خاصی سُکڑ چکی ہوتی ہے اور آپ کو چاروں طرف اندھیرا جیسا نظر آتا ہے۔ جب تیز روشنی کا اثر ختم ہو جاتا ہے اور پُتلی اپنی اصلی حالت پر آجاتی ہے تو پھر آپ پہلے کی طرح دیکھنے لگتے ہیں۔

س: گرمیوں میں گرمی دانے یعنی پت کیوں نکلتی ہے۔ اس کا علاج کیسے ممکن ہے؟
ماریہ ظفر، لیاقت پور

ج: گرمی دانے موسم گرما میں نہیں بلکہ برسات کے موسم میں نکلتے ہیں۔ اس کی بڑی وجہ یہ ہے کہ برسات میں ہوا میں رطوبت یا نمی زیادہ ہوتی ہے اور ہمارے جسم سے نکلا ہوا پسینا خشک نہیں ہوتا بلکہ اندر ہی اندر مرتا رہتا ہے اور جلد پر جمع ہوتا رہتا ہے۔ پسینے کی تیزابیت اور گرمی سے گرمی دانے نمودار ہو جاتے ہیں۔ کچھ اندرونی حرارت اور خرابی بھی زور دکھاتی ہے۔ گرمی دانوں کا پہلا علاج تو یہ ہے کہ اس موسم

میں بنیان نہ پہنا جائے اور سوتی کپڑے پتلے اور ہلکے استعمال کیے جائیں۔ نائلون کے یا ایسے کپڑے نہ پہنے جائیں جن میں سے ہوا نہیں گزر سکتی اور جو پسینا بھی جذب نہیں کرتے۔

دوسرا علاج ایسے پاؤڈر کا استعمال ہے جو خنکی کا احساس پیدا کرتا ہے۔ پرکلی ہیٹ پاؤڈر بازار سے مل جاتے ہیں۔ اُن سے کچھ افاقہ ہوتا ہے۔ ہر روز غسل کرنے اور غسل کے بعد یہ پاؤڈر استعمال کرنے سے آرام ملتا ہے۔ ایک علاج جو بعض لوگوں کو موافق آتا ہے، بارش میں نہانا ہے۔ اسے بھی آزمائیے۔

غرض ہر شخص کے لیے کوئی ایک علاج تجویز نہیں کیا جا سکتا۔ کسی کو کوئی علاج موافق آجاتا ہے، کسی کو کوئی۔ امیر لوگ ائیر کنڈیشنر لگا کر پسینے اور گرمی دانوں سے بچتے ہیں۔ مشقّت کرنے والوں کو پتا بھی نہیں چلتا اور موسم گزر جاتا ہے۔

کیا آپ بتا سکتے ہیں کہ دنیا کا پہلا سائنس داں کون تھا؟

فرحت حسین، لطیف آباد

وہ جس نے پہیّا ایجاد کیا اور جس کا نام اور وقت معلوم نہیں۔

س: زمین کا مرکز کس جگہ واقع ہے؟ اس کا فاصلہ خطِ استوا سے زیادہ ہے یا قطبین سے؟

سلمیٰ بانو، کراچی

ج: ہماری زمین کا مرکز، خطِ استوا، خطِ سرطان، خطِ جدی سب فرضی چیزیں ہیں، جو ہم نے اپنی آسانی کے لیے فرض کرلی ہیں۔ زمین نارنگی کی طرح چپٹی ہے، گول ہے۔ یہ ایک کُرہ ہے اور اس کے اندر وہ فرضی نقطہ جو بالکل اُس کے مرکز یا بیچ میں تصوّر کیا جا سکتا ہے، اس کا مرکز کہلاتا ہے۔ یہ کوئی ٹھوس چیز نہیں ہے جسے آپ جا کر دیکھ سکیں یا چھو سکیں۔ یہ ایک فرضی نقطہ ہے۔ خط استوا سے زمین کا قطر ۱۲۷۴۴ کلومیٹر ہے اور چوں کہ زمین قطبین پر نارنگی کی طرح سے چپٹی ہے، اور اس لیے قطبین سے اُس کا قطر کچھ کم ہے یعنی مرکزِ استوا سے دُور ہے اور قطبین سے ذرا قریب۔

س: گیس کا وزن کتنا ہوتا ہے؟ ایک عام گھریلو سلنڈر میں کتنے مکعب فیٹ گیس آتی ہے؟
نعمت اللہ سمور

ج: آپ شاید سوئی گیس کے سلنڈر کے متعلق پوچھ رہے ہیں جو ہم کھانا پکانے کے لیے باورچی خانے میں استعمال کرتے ہیں۔ پہلی بات تو یہ سمجھ لیجیے کہ اس سلنڈر میں گیس نہیں ہوتی بلکہ گیس کا مائع ہوتا ہے یعنی پلانٹ پر جلانے والی گیس کو مائع میں تبدیل کیا جاتا ہے۔ وہ مائع اس سلنڈر میں بھر دیا جاتا ہے اور جیسے ہی ہم اس کا پیچ کھولتے ہیں، یہ مائع پھر گیس میں تبدیل ہو جاتا ہے۔ یہ سلنڈر چھوٹے بھی ہوتے ہیں اور بڑے بھی۔ کسی کا وزن ۲۵ کلو ہوتا ہے اور کسی کا زیادہ۔ سب برابر نہیں ہوتے۔

س: ٹیلے وژن پر تصویر کس طرح آتی ہے؟

ج: آپ نے ٹیلے وژن اسٹیشن تو دیکھا ہوگا۔ اُس پر ایک اونچا ایریل لگا ہوتا ہے۔ جسے ٹرانسمیٹر کہتے ہیں۔ ٹیلے وژن کی ایجاد ایک قدرتی تعلق کی بنا پر ممکن ہوئی جو روشنی اور بجلی کے درمیان پایا جاتا ہے۔ ٹیلے وژن اسٹوڈیو میں خاص قسم کا ایک کیمرا سامنے کے منظر کی تصویریں لیتا ہے جو ریڈیائی سگنلوں میں تبدیل ہو جاتی ہیں۔ یہ سگنل ٹرانسمیٹر کے ذریعہ سے چاروں طرف نشر کر دیے جاتے ہیں اور جب وہ آپ کے ٹیلے وژن سیٹ میں داخل ہوتے ہیں تو برعکس عمل ہوتا ہے یعنی ریڈیائی یا برقی ارتعاشات پھر روشنی میں تبدیل ہو جاتے ہیں اور یوں آپ ٹیلے وژن پر وہی منظر دیکھ لیتے ہیں۔ چوں کہ زمین گول ہے اور ریڈیائی سگنل اُس سے ٹکرا کر واپس نہیں آسکتے اس لیے زمین کا خم اُن کے راستے میں رُکاوٹ بنتا تھا اور ٹیلے وژن پروگرام پہلے سو میل سے زیادہ فاصلے پر کامیاب نہیں ہوتے تھے۔ اسی لیے ہر ملک میں بوسٹر لگائے جاتے ہیں اور یوں آپ پورے ملک میں ایک ہی پروگرام دیکھ لیتے ہیں۔ بین الاقوامی پیمانے پر جو پروگرام دکھائے جاتے ہیں مثلاً جب آپ انگلستان یا اوسٹریلیا یا دنیا کے کسی دوسرے ملک میں کھیلا جانے والا میچ پاکستان میں بیٹھ کر دیکھتے ہیں تو سمجھ لیجیے کہ مصنوعی مواصلاتی سیّارہ اس پروگرام کے نشر ہونے میں مدد دے رہا ہے۔ ان سیّاروں سے دنیا بھر میں ایک ہی پروگرام نشر کیا جاسکتا ہے۔

مِسواک
ہمدرد انٹرنیشنل ٹوتھ پیسٹ

درخت پیلو/مِسواک کی بہ حیثیت محافظِ دنداں سب سے پہلے غیبی دریافت ارضِ قرآن اور مطلعِ اسلام مدینۂ منورہ میں ہوئی اور پھر عہد بہ عہد متعدد تہذیبوں نے اور مختلف ثقافتوں نے مِسواک کی سُنّت اور بے انتہا افادیت سے ہمیشہ فیض پایا ہے۔ آج کہ سائنس انکشافات کی عظمتوں کو پا رہی ہے اور انکشافات کی رفعتوں کو چھو رہی ہے، عصری سائنس نے مسوڑھوں کی صحت اور دانتوں کی حفاظت کے لیے پیلو/مِسواک کی افادیت کی بہ ہمہ وجوہ تائید کی ہے۔

ہمدرد کو یہ امتیاز حاصل ہوا ہے کہ اس نے بہ ہمہ تحقیقاتِ سائنسی محافظِ دنداں درخت پیلو/مِسواک سے اپنی سائنسی لیبوریٹریوں میں پہلے ہمدرد پیلو ٹوتھ پیسٹ تیار کیا اور پھر اب پیلو فارمولے سے بین الاقوامی ٹوتھ پیسٹ 'مِسواک' پیش کیا اور تمام دنیا کے لیے حفاظتِ دنداں کا سامان کیا۔

مِسواک

ہمدرد انٹرنیشنل ٹوتھ پیسٹ

ہمدرد
ہم خدمتِ خلق کرتے ہیں

پیلو کے بڑے سائز کے طور پر اب پاکستان میں مِسواک بھی دستیاب ہے۔

اوازِ اخلاق

پاکستان سے محبت کرو۔ پاکستان کی تعمیر کرو

ADARTS - MHT-1/88

بزمِ ہمدرد نونہال، لاہور

پاکستان کے نونہالوں کی ذہنی اور اخلاقی تربیت کے لیے ہمدرد فاؤنڈیشن کے زیرِ اہتمام جناب حکیم محمد سعید صاحب کی سرپرستی میں بزم ہمدرد نونہال کی تقریبات کراچی میں منعقد ہوتی رہتی ہیں۔ کچھ عرصے سے پاکستان کے دوسرے شہروں کے نونہالوں نے اپنی اس خواہش کا اظہار شروع کر دیا تھا کہ بزم ہمدرد نونہال ہمارے شہروں میں بھی منعقد کی جائے۔ حکیم صاحب نے اس کا وعدہ کیا تھا اور چند ماہ پہلے اعلان کیا تھا کہ ۸ جولائی ۱۹۸۸ء کو لاہور میں بزم ہمدرد نونہال منعقد کی جائے گی۔ چناں چہ آپ نے اپنا وعدہ پورا کیا اور اسی تاریخ کو لاہور میں بزم ہمدرد نونہال کی محفل جمی۔ صدارت جناب پروفیسر اشفاق علی خاں نے کی۔ نونہال قاری مجیب الرحمٰن نے تلاوتِ کلام پاک سے تقریب کا آغاز کیا۔ ارم شہزادی نے نعتِ رسولؐ مقبول پیش کی۔ اس کے بعد جناب حکیم محمد سعید صاحب نے اپنے خاص انداز میں نونہالوں سے خطاب کیا۔ آپ نے بچّوں کو شاباش دی جو صحیح وقت پر ہال میں موجود تھے۔ آپ نے وعدہ کیا کہ اب ہر مہینے یہ بزم لاہور میں منعقد ہوا کرے گی۔

اس کے بعد "آزادی زندگی ہے" کے عنوان سے نونہال مقررین نے دھواں دھار تقریریں کر کے بچّوں اور بڑوں سے داد حاصل کی۔ ان میں جمیل احمد (گورنمنٹ اسلامیہ اسکول) کاشف

ادیب (مون لائٹ اسکول) خولہ مصطفےٰ بٹ (حامدیہ رضویہ اسکول) رضا کاظمی (گورنمنٹ چشتیہ اسکول) جنید بخاری (ابدالی پبلک اسکول) سپوزمہ لودھی (کمیونٹی پرائمری اسکول) مجیب الرحمٰن (گورنمنٹ جوبُرجی گارڈن اسکول) محمد شعیب احمد (گورنمنٹ مسلم ماڈل اسکول) فخرالدین (گورنمنٹ اسلامیہ اسکول) اور آغا مامون خاں (کریسنٹ ماڈل اسکول) شامل تھے۔ تقریری مقابلے کے بعد کوئز پروگرام ہوا جس میں بچّوں سے اسلامی ممالک کے یومِ آزادی کی تاریخ پوچھی گئی تھی۔ بہت سے نونہالوں نے صحیح جواب دے کر انعام حاصل کیا۔

۸ جولائی کی بزمِ ہمدرد نونہال میں جناب حکیم محمد سعید، مہمان خصوصی جناب پروفیسر اشفاق علی خاں اور انعام حاصل کرنے والے نونہال

آخر میں نونہالوں میں انعامات تقسیم کیے گئے اور مہمانوں کی تواضع کی گئی۔

لاہور میں بزمِ ہمدرد نونہال کی دوسری تقریب ۵ اگست ۱۹۸۸ء کو منعقد کی گئی۔ اس میں بچّوں کے لیے جو موضوع چُنا گیا تھا وہ تھا: "پاکستان ایک باغ، پیار اس میں بہار"۔ اس موضوع پر بچّوں نے زور دار تقریریں کرکے محفل کو گرما گرم کر دیا۔ تقریب کے مہمانِ خصوصی تھے ممتاز افسانہ نگار جناب اشفاق احمد۔ آپ اردو سائنس بورڈ، لاہور کے ڈائرکٹر جنرل ہیں۔ آپ نے نونہالوں سے خطاب کرتے ہوئے انھیں اپنے بچپن کی باتیں سُنائیں اور پیار، محبّت اور علم کی اہمیت پر زور دیا۔ آپ نے بچّوں کو نصیحت کی کہ ملک کی ترقی اور استحکام کے لیے دن رات سچے دل سے محنت کریں۔ جناب حکیم محمد سعید صاحب نے نونہالوں کو وقت کی پابندی کرنے کی تاکید کی اور انھیں بتایا کہ یہ وقت اللہ تعالیٰ کی امانت ہے۔ اس میں خیانت نہ کریں۔ اس کا صحیح استعمال کریں۔ یہ بھی ایک طرح کی عبادت ہے۔

جناب حکیم محمد سعید، ممتاز افسانہ نگار جناب اشفاق احمد اور جناب پروفیسر اشفاق علی خاں

۵ اگست کی بزمِ ہمدرد نونہال میں جناب حکیم محمد سعید اور جناب اشفاق احمد انعام حاصل کرنے والے نونہالوں کے ساتھ

نونہال مقررین میں خرّم شہزاد (گورنمنٹ ماڈل اسکول ماڈل ٹاؤن) اوّل۔ فراز قمر، (ڈویژنل پبلک اسکول، ماڈل ٹاؤن) دوم اور جمیل احمد (اسلامیہ ہائی اسکول مزنگ) سوم رہے۔ کوئز پروگرام میں پاکستان کی تحریک اور تاریخ کے حوالے سے سوال پوچھے گئے اور صحیح جواب دینے والے نونہالوں کو انعام بھی دیے گئے۔

تقریب کے آخر میں مہمانوں کی تواضع کی گئی۔

صاف اور صحت بخش خون ہی
انسان کی اچھی صحت کا ضامن ہوتا ہے۔

خون میں فاسد مادّوں کی پیدائش سے پھوڑے پھنسیاں،
خارش، دانے اور مہاسے وغیرہ جسم پر نمودار ہونے لگتے ہیں۔
ہمدرد کی صافی خون کو صاف اور صحت مند رکھتی ہے۔

صافی کا باقاعدہ استعمال جِلدی بیماریوں
سے محفوظ رہنے اور خون کی صفائی کا مفید ذریعہ ہے۔

جڑی بوٹیوں سے
تیار شدہ

صافی

سے خون بھی صاف
جِلد بھی صاف

ہمدرد

ہم خدمتِ خلق کرتے ہیں

آوازِ اخلاق
بدزبانی ذہن کا سرطان ہے

Adarts HSF-1/82

کمپاؤنڈر صاحب! جب آپ کے ڈاکٹر صاحب کسی مریض کو اُدھار نہیں دیتے تو میں اُن کو دوا ادھار کیوں دوں؟
ارے بھئی! بات یہ ہے کہ انھیں اس بات کا یقین ہی نہیں ہوتا کہ مریض زندہ سلامت بچ جائے گا۔

ابّو! میرے پیٹ میں درد تو کچّی روٹی کھانے سے ہو رہا ہے۔ آپ مجھے آنکھوں کے ڈاکٹر کے پاس کیوں لے جا رہے ہیں؟
اگر تمھاری آنکھیں ٹھیک ہوتیں تو تم کو کچّی روٹی دکھائی دے جاتی۔ نہ تم وہ روٹی کھاتے اور نہ تمھارے پیٹ میں درد ہوتا۔
آنکھوں کے ڈاکٹر

سلسلہ ۲۷۰

معلوماتِ عامہ

اس بار بھی سوالات کی تعداد دس ہے۔ تصویریں صرف دس صحیح جوابات بھیجنے والوں کی شائع کی جائیں گی۔ نو صحیح جوابات بھیجنے والوں کے صرف نام شائع کیے جائیں گے۔ جوابات ۲۰ اگست ۱۹۸۸ء تک ہمیں بھیج دیجیے۔ جوابات کے پیچھے اپنا نام، پتا اور تصویروں کے پیچھے اپنا نام اور جگہ کا نام ضرور لکھیے۔

۱۔ بتائیے آں حضرتؐ نے سب سے پہلے کس مسجد کی تعمیر میں بہ ذاتِ خود حصّہ لیا۔
۲۔ بتائیے حضرت داؤدؑ کس بادشاہ کی فوج میں تھے؟
۳۔ بتائیے پاکستان کے شمال میں کون سا ملک واقع ہے؟
۴۔ مصر کا قومی نشان کنول کا پھول ہے، ایران کا قومی نشان گلاب کا پھول ہے۔ بتائیے ترکی کا قومی نشان کیا ہے؟
۵۔ چولستان پاکستان کے کس صوبے میں ہے؟
۶۔ بتائیے سفید ہاتھی کہاں پائے جاتے ہیں؟
۷۔ مصر کے آخری بادشاہ کا نام تو معلوم ہوگا آپ کو؟
۸۔ بتائیے بجلی کے بلب میں کون سی گیس بھری جاتی ہے؟
۹۔ اِگلو، رینڈئیر اور سلیج۔ کیا ان تین لفظوں کی مدد سے آپ ان سے تعلق رکھنے والی قوم کا نام بتا سکتے ہیں؟
۱۰۔ بتائیے ہندُستان کے آخری مغل بادشاہ بہادر شاہ ظفر کہاں دفن ہیں؟

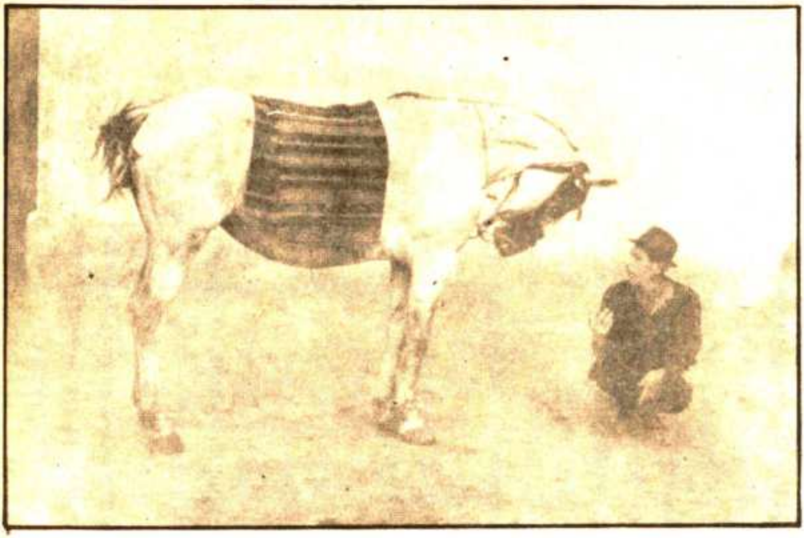

کیا جانور بول سکتے ہیں؟

ریحانہ ظفر

امریکا میں حال ہی میں ایک تحقیق ہوئی جس سے یہ معلوم ہوا کہ بچّوں کے لیے لکھی جانے والی تین چوتھائی کتابیں یا تو جانوروں کے بارے میں ہیں یا اُن کا مرکزی کردار جانور ہے۔ جن کتابوں میں جانوروں کا ذکر کیا گیا ہے اُن میں زیادہ تر کے خیالات اور احساسات بالکل انسانوں جیسے ہیں۔ اکثر کتابوں میں جانوروں کو انسانوں کی طرح بات چیت کرتے دکھایا گیا ہے۔ بچّوں کی کتابیں پڑھنے والا ہر شخص حیران رہ جاتا ہے کہ آخر ان کتابوں کے لکھنے والوں نے یہ کیوں سمجھ لیا ہے کہ بچّے اس بات پر یقین کر لیں گے کہ جانور انسانوں کی طرح گفت گو کر سکتے ہیں۔ حال آنکہ بچّے یہ بات اچھی طرح جانتے اور سمجھتے ہیں کہ جانور کبھی بھی، انسانوں کی طرح بول نہیں سکتے مگر پھر بھی وہ ان کو بڑی

دل چسپی سے پڑھتے ہیں۔ ان کہانیوں میں جانوروں کو آپس میں تو بولتے ہوئے دکھایا جاتا ہے، بلکہ انھیں انسانوں سے بھی باتیں کرتے دکھایا جاتا ہے۔

پُرانی داستانوں میں لکھا گیا ہے کہ دُرویش (فقیر) لوگ پرندوں اور درندوں سے باتیں کر لیا کرتے تھے۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ لوگ بُلبل، مینڈک، کوئل اور فاختہ و مینا کی بولیاں سمجھ لیتے تھے۔ آج کے سائنسی دَور میں یہ بات بڑی عجیب لگتی ہے اور سائنس داں اس بات کو ماننے کو تیار نہیں مگر مزہ اس وقت آیا جب ایک گھوڑے ہانس کی شہرت سارے یورپ میں پھیل گئی۔ اس گھوڑے کا مالک جرمنی کے ایک پرائمری اسکول کا استاد تھا۔ اسے کسی طرح اس بات کا اندازہ ہو گیا تھا کہ ہانس بہت زیادہ ذہین ہے۔ اس نے اُسے حساب کے سوالات کو حل کرنے کا طریقہ سکھانا شروع کر دیا۔ اس نے ہانس کو بالکل اسی طریقے سے سکھایا جس طرح وہ اپنی کلاس میں بچّوں کو سکھاتا تھا۔ ہانس نے بہت جلدی حساب کے سوالات حل کرنے سیکھ لیے۔ اگر اس سے گیارہ میں سے پانچ گھٹانے کو کہا جاتا تو وہ چھے بار اپنا پیر زمین پر مار کر بالکل صحیح جواب دے دیتا یا اس سے سولہ کا جذر نکالنے کو کہا جاتا تو وہ چار بار اپنا پیر زمین پر مارتا۔

ہانس کی شہرت سارے یورپ میں پھیل گئی۔ دُور دُور سے لوگ اس کو دیکھنے آنے لگے۔ کئی سائنس داں بھی اُسے دیکھنے آئے اور انھوں نے اس کے مالک کی غیر موجودگی میں اس سے بہت سے سوالات حل کروائے جن کے جواب اس نے بالکل صحیح دیے۔ آخر دو پروفیسروں نے اس کا امتحان لیا۔ ان میں سے ایک نے

ہانس کے کان میں کچھ کہا اور پھر پردے کے پیچھے چلا گیا۔ ہانس نے اس کا بالکل صحیح جواب دیا۔ دوسری بار دوسرے پروفیسر صاحب نے اپنے ساتھی کو بتائے بغیر ایک سوال کا سوچا اور ہانس کے کان میں کہہ کر پردے کے پیچھے چلے گئے۔ اس بار ہانس صحیح جواب نہ دے سکا۔

اب تو اُدھم مچ گیا۔ جب اس بات کی تحقیق کی گئی تو پتا چلا کہ بلاشبہ ہانس بہت ذہین تھا، مگر وہ آدمیوں کی طرح نہیں سوچ سکتا تھا۔ وہ جب بھی صحیح جواب دیتا تو وہ لوگوں کے کھڑے ہونے کے انداز اور ان کے چہرے پر پیدا ہونے والے ہلکے سے ہلکے تاثرات سے ہی جواب نکال لیتا تھا۔ صحیح جواب کے لیے وہ اس وقت تک زمین پر پیر مارتا رہتا جب تک کوئی اُسے رُک جانے کا اشارہ نہ دے دیتا۔

مثال کے طور پر اس سے کہا جاتا کہ پندرہ میں سے دس گھٹاؤ تو وہ لوگوں کے چہروں کو دیکھتے ہوئے زمین پر اپنا پیر مارنا شروع کر دیتا۔ جیسے ہی وہ پانچ بار مار چکتا تو لوگوں کے چہرے پر پیدا ہونے والے خوشی اور حیرت کے اثرات دیکھ کر سمجھ جاتا کہ صحیح جواب یہی تھا۔

صرف ہانس میں ہی یہ غیر معمولی صلاحیت نہیں تھی۔ صدیوں پہلے بھی بولنے والے جانور یا غیر معمولی سمجھ بوجھ رکھنے والے جانور ہوا کرتے تھے مگر یہ پہلا موقع تھا کہ ہانس پر اتنی زیادہ سائنسی طریقے سے تحقیق ہوئی تھی اور آخر اس کا بھانڈا پھوٹ گیا کہ اس کی عقل انسانی عقل کی طرح نہیں۔

ایک امریکی ماہر نفسیات اور اس کی بیوی نے ایک ماہ کے چمپانزی بچّے کی چھے

سال تک پرورش کی اور اسے انسانوں کی طرح بولنا سکھانے کی بہت کوشش کی مگر وہ صرف چار لفظ پاپا، ماما، کپ اور آپ سیکھ سکی۔ اس کے بعد یہ تسلیم کر لیا گیا کہ بندر انسانوں کی طرح بول نہیں سکتے۔ بہت سے لوگوں کا خیال ہے کہ توتا انسانوں کی طرح بول سکتا ہے، حال آنکہ وہ صرف انسانی بولی کی نقل کر سکتا ہے، صحیح معنوں میں بول نہیں سکتا۔

۱۹۶۰ء میں ڈولفن مچھلیوں کے بارے میں یہ خبر آئی کہ وہ انسانوں کی طرح بول سکتی ہیں، مگر یہ بات بھی غلط نکلی۔ یہ صحیح ہے کہ ڈولفن مچھلیاں لوگوں کی تفریح کے لیے بہت سے کرتب سیکھتی ہیں اور انھیں لوگوں کے سامنے دکھاتی بھی ہیں مگر انسانوں کی طرح بولنا تو اُن کے بس کی بات نہیں اور نہ وہ انسانی بولی کو سمجھ سکتی ہیں۔

امریکا کی ایک یونی ورسٹی میں افریقہ کے بھورے توتے "الیکس" کو کئی سال کی تربیت کے بعد بیس مختلف چیزوں کی لفظی علامتیں سکھا دی گئی ہیں۔ اس کے علاوہ چار شکلوں کی پہچان اور چار احکام بھی سیکھ گیا ہے، ان احکام میں "جائیے"، "یہاں آؤ" اور "گدگدی کرو" وغیرہ شامل ہیں۔ الیکس ان الفاظ کو جوڑ کر کسی چیز کو پہچان بھی لیتا ہے۔ وہ کوئی چیز مانگ لیتا ہے یا کسی بات سے انکار بھی کرنے لگا ہے۔ وہ اس قسم کے پچاس کام سیکھ چکا ہے، مگر پھر بھی وہ اپنے تربیت دینے والوں سے باتیں کرنے کے قابل نہیں ہو سکا ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ آپس میں اور انسانوں سے بات چیت کرنے والے جانور صرف کہانیوں اور بچّوں کے ادب میں ملتے ہیں۔ ابھی تک کسی بھی جانور کو گفت گو کرنے کا فن نہیں سکھایا جا سکا ہے۔ زبان اور اس کی مخصوص نشانیاں اور قاعدے صرف انسان سے تعلق رکھتے ہیں جسے انسان بھی ایک ڈھنگ، طریقے اور مشق کے بعد حاصل کرتا ہے۔

گدھا وزیر

ایک بادشاہ کا شکار کرنے کو دِل چاہا۔ اس نے اپنے وزیر سے پوچھا، "آج بارش ہو گی؟" وزیر نے کہا، "نہیں۔" دونوں شکار کے لیے روانہ ہو گئے۔ راستے میں انھیں ایک کسان ملا۔ بادشاہ نے اس سے پوچھا "آج بارش ہو گی؟" اس نے کہا، "ہاں، تھوڑی دیر میں بارش ہو گی۔" بادشاہ نے کسان کو وزیر بنا لیا اور پہلے وزیر کو نکال دیا۔ پھر بادشاہ نے کسان سے پوچھا، "تم کو کیسے پتا چلا کہ آج بارش ہو گی؟" کسان بولا، "جب بارش ہونی ہے تو میرا گدھا اپنے کان کھڑے کر لیتا ہے۔" بادشاہ نے کسان کو بھی برطرف کر دیا اور گدھے کو اپنا وزیر بنا لیا۔

مرسلہ: عظمیٰ تسنیم، کراچی

خُوباں

صحّت کے لیے ایک منفرد قدرتی ٹانک

بارہ پھلوں اور خشک میوہ جات کا نفیس ولطیف اور خوش ذائقہ سنہرا شربت
خُوباں جس میں شامل ہاضم، مقوّیٔ جسم وجاں اور حیات بخش اجزاء نے اسے
ایک منفرد ٹانک بنادیا ہے۔ خُوباں' دواؤں سے بڑھ کر انسانی جسم کی حقیقی
اور فطری ضرورتوں پر ہمدرد کے طویل تجربہ کا ماحصل ہے۔

خُوباں بچّوں کو چاق چوبند اور بڑوں کو چُست و توانا رکھتا ہے۔
خُوباں استعمال کرنے والے بچے تعلیم اور کھیل کود میں بڑے جی جان سے حصّہ لیتے ہیں۔
صحّت مند لوگوں کے لیے خُوباں کا استعمال یوں بھی مناسب ہے کہ اس سے
جسم وجاں کو توانائی ملتی رہتی ہے اور شب وروز کی ذہنی محنت
یا جسمانی مشقت سے کوئی تھکن یا سُستی پیدا نہیں ہوتی۔ لاغر اور
بیماری سے اُٹھے ہوئے لوگوں کے لیے خُوباں ایک مفید اور مؤثر قدرتی ٹانک ہے۔

کھلاڑیوں کے لیے خُوباں ایک ضرورت ہے۔ کھیل شروع کرنے سے پہلے اس کے ۲ دو چمچے پینے سے
جسم میں مناسب طاقت وچُستی پیدا ہوتی ہے اور کھیل کے بعد خُوباں توانائی بحال کرتا ہے۔

خُوباں گھر کے ہر فرد کے لیے ہر موسم میں تن درستی اور توانائی بہم پہنچاتا ہے۔
خُوباں کے ۲ دو چمچے غذا کے بعد آپ کی توانائی برقرار رکھتے ہیں۔

ہمدرد
ہم خدمتِ خلق کرتے ہیں۔

خُوباں خوش ذائقہ سُنہرا شربت

ADARTS

K-1/88 R

نونہال مصوّر

رخشندہ رشید، کراچی

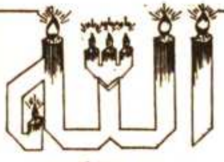

عارف اقبال، کراچی

سنجیدہ صدیقی، کراچی

جعفر عظیم، کراچی

ثمینہ سعدیہ، کراچی

روبینہ فرید خان، کراچی

فرحین ذاکر حسین، میرپور خاص

شیرازی محمود

عدنان اقبال، کراچی

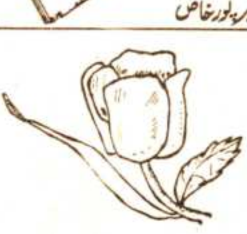

نوید اعجاز، ٹنڈو آدم

سید یوسف نصراللہ، کراچی

بچّوں میں مقبول کتابیں

غذائیں دوائیں

اللہ تعالیٰ نے کھانے کی ہر چیز میں دو خوبیاں رکھی ہیں، ایک خوبی تو یہ ہے کہ وہ بدن کو طاقت پہنچاتی ہے اور دوسری خوبی یہ ہے کہ وہ بعض بیماریوں کو دور کرتی ہے۔ مثلاً مولی یرقان کا علاج ہے، لہسن بلڈ پریشر کو کم کرتا ہے، نیم سے خون صاف ہوتا ہے۔ اس کتاب میں پچاس سبزیوں، پھلوں وغیرہ کے خواص درج ہیں۔ قیمت پانچ رُپے

سنہرے اصول

جناب حکیم محمد سعید نے چھوٹے بچوں کو دل چسپ انداز سے صحت کے اصول سکھانے کے لیے یہ تصویری کتاب تیار کی ہے۔ آج کے چھوٹے بچے کل کے ذمے دار شہری اور ملک کے معمار بنیں گے۔ اس کتاب کو تمام بچوں اور ان کے ماں باپ نے پسند کیا ہے۔ قیمت پانچ رُپے

صحت کی الف بے

اردو کی الف بے پڑھ کر آپ اردو پڑھنے لکھنے لگتے ہیں، انگریزی کی اے بی سی پڑھ کر آپ انگریزی سیکھ لیتے ہیں۔ جناب مسعود احمد برکاتی کی اس کتاب کو پڑھنے سے آپ صحت اور تن درستی سیکھ لیں گے۔ بہت مزے دار اور مفید کتاب ہے۔ قیمت پانچ رُپے

ننھا سراغ رساں

کیا بچے سراغ رساں بن سکتے ہیں؟ جی ہاں ایک آدمی نے دعوا کیا کہ اس کے پاس جو تلوار ہے وہ امریکی جنرل جیکسن کی ہے۔ ایک بچے نے ثابت کر دیا کہ یہ دعوا غلط ہے۔ ایک بچے نے سرکس میں لکڑی کے شیر کے پیٹ میں چھپائے ہوئے جواہرات کا کھوج لگایا۔ پوری کتاب حیران کن واقعات سے پُر ہے۔ قیمت پانچ رُپے

ایک وحشی لڑکے کی آپ بیتی

کس طرح ایک دلیر بچے نے ایک بدنام ڈاکو کو قید کرایا اور کس طرح ایک بچے نے ایک سنسان جزیرے پر وحشی لڑکے کی طرح زندگی بسر کی۔ یہ ہمت اور جرأت سکھانے والی کتاب ہے۔ قیمت پانچ رُپے

پُراسرار غار

اس کتاب میں جاں نثاری، وطن کے لیے قربانی اور لوگوں کی جان بچانے کی کہانیاں ہیں جو بہادری کا ولولہ پیدا کرتی ہیں۔ ایک ترکی خاتون نے بمباری کے اندر بیمار سپاہی کی تیمار داری کی۔ ایک روسی لڑکی نے اپنی جان کی قربانی دے کر وطن کی مدد کی۔ ایک کتے نے ایک اندھے بھکاری لڑکے کو آتش فشاں لاوے سے بچایا۔ قیمت پانچ رُپے

ہمدرد فاؤنڈیشن پریس، کراچی

صحت مند نونہال

نجمہ ثناء اللہ، دولت پور صفن

محمد صدیق، کراچی

عبدالمجید سومرو، شاہ پور چاکر

فائزہ علی شیخ، نواب شاہ

اسد سکندری، حیدر آباد

محمد ذیشان ایوب، کراچی

مسعود الحسن، بہاول پور

محمد جنید ہارون لاکھانی، سکھر

شہباز احمد، کوٹ غلام محمد

ندیم احمد قائم خانی، لاہور

معین جمیل، کراچی

کامران منیر، کراچی

مجیب الرحمٰن سومرو، شاہ پور چاکر

علی محمد حسین، کراچی

مُسکراتے رہو

○ ایک صاحب چلتے ہوئے اکثر لوگوں سے ٹکرا جاتے اور پھر کہتے:

"گدھے کہیں کے دیکھ کر نہیں چلتے۔"

ایک دن سچ مچ ایک گدھے سے ٹکرا گئے اور وہ بھی اتنے زور سے کہ زمین پر گر پڑے۔ کہنے لگے:

"جناب! آپ کو کیا کہوں۔ آپ تو آپ ہی ہیں۔"

مرسلہ: سید محمد اطہر، لاڑکانہ

★ ملازمت کے لیے امیدواروں کا انتخاب ہو رہا تھا۔ ایک امیدوار سے پوچھا گیا، "آپ اور کیا کام جانتے ہیں؟"

"میں کامیڈی بڑی اچھی کر لیتا ہوں۔" امیدوار نے جواب دیا۔

پھر اس سے کہا گیا، "کوئی عمدہ سا مذاق کر کے دکھایئے۔"

یہ سنتے ہی اُس نے باہر بیٹھے ہوئے امیدواروں سے مخاطب ہو کر کہا، "اب آپ حضرات جا سکتے ہیں۔ میرا انتخاب ہو چکا ہے۔"

مرسلہ: فخرالدین، کراچی

★ ایک آدمی نے مرتے وقت اپنے دوست سے کہا، "پچھلے سال تمھاری فیکٹری سے پچیس ہزار رُپے کا غبن میں نے کیا تھا اور تمھاری فیکٹری کے مزدوروں کو بھی میں نے بھڑکایا تھا۔ اگر تمھیں بدلا لینا ہے تو لے لو۔"

"کوئی بات نہیں میرے دوست! تمھیں زہر بھی میں نے ہی دیا ہے۔"

مرسلہ: محمد یاسین، بھریا شہر

★ ایک غائب دماغ پروفیسر کسی حجام کی دُکان پر شیو کرا رہے تھے۔ سڑک پر کوئی چلّایا:

"پروفیسر صاحب! آپ کی بیوی چھت سے گر پڑی ہیں۔"

وہ تڑپ کر اُٹھے.... گلے کا کپڑا ایک صاحب پر مارا، چہرے کا صابن ایک اور صاحب پر.... تین چار گاہکوں سے بُری طرح ٹکرائے.... سڑک پر گرے.... پھسلے، اُٹھے اور ایک ٹھیلے والے سے بُری طرح ٹکرائے.... اُچھل کر بھاگے کچھ دُور جا کر رُک گئے اور سر کھجانے لگے۔ پھر شرمندہ ہو کر بولے: "اُفوہ،

میں بھی کیا کر رہا ہوں.... بھلا میری ابھی شادی ہی کہاں ہوئی ہے۔"

مرسلہ: اینلا یوسف بھٹی، کراچی

★ ڈاکٹر: اللہ کی پناہ! تمھارا تو حشر خراب ہو گیا ہے۔ یہ تم نے دونوں ٹانگیں کیسے توڑ لیں؟"

مریض: عادت کی وجہ سے ڈاکٹر صاحب.... میں نے سگرٹ مین ہول میں پھینکا اور پھر عادت کے مطابق اُس کو جوتے سے بجھانے کی کوشش بھی کی۔"

مرسلہ: راشد اشرف، لطیف آباد

★ ایک مُرغی خانے کے مالک نے نوکری کے اُمیدوار سے پوچھا کہ اس بات کی کیا ضمانت ہے کہ تم انڈے نہیں چُراؤ گے؟"

امیدوار نے جواب دیا،

"میری ایمان داری کا اندازہ اس بات سے لگائیں کہ میں پانچ برس تک ایک حمام میں نوکر رہا مگر ایک بار بھی نہیں نہایا۔"

مرسلہ: نامعلوم

★ کسی گاؤں میں ایک بھیڑیا گھس آیا۔ سارے گاؤں میں بھگدڑ مچ گئی۔ ایک بہت موٹی عورت اپنے خاوند سے بولی، "آؤ ہم بھی سب لوگوں کے ساتھ ہی بھاگ چلیں۔ کہیں بھیڑیا مجھے اُٹھا کر نہ لے جائے۔"

خاوند بولا، "تم کیوں ڈرتی ہو؟ وہ بھیڑیا ہے کوئی کرین تو نہیں ہے۔"

مرسلہ: مہردل سرڈھیری، تحصیل چارسدہ

★ بیٹا: (باپ سے) ابّو! آپ کی عمر کیا ہے؟

باپ: بیٹے ۳۵ سال۔

پانچ سال گزرنے کے بعد جب بیٹے نے اپنے ابّو سے ان کی عمر پوچھی تو انھوں نے پھر ۳۵ سال بتائی۔ بیٹے نے کہا،

"ابّو آپ نے پانچ سال پہلے بھی یہی عمر بتائی تھی۔"

باپ نے جواب دیا، بیٹا! مرد کی ایک زبان ہوتی ہے۔

مرسلہ: سلیم شاہ، کراچی

★ جج: میرا خیال ہے کہ اس سازش میں تمھارا بھی ہاتھ ہے؟

ملزم: جناب! جب یہ سازش ہوئی تو میرے ہاتھ میرے کوٹ کی جیب میں تھے۔

مرسلہ: خانان دُرانی پشتون، چمن

★ ڈرائنگ روم میں سجے ہوئے شیر کو دیکھ کر مہمان نے کہا، "بڑا خوب صورت شیر ہے کہاں سے حاصل کیا؟"

"بھارت سے۔ پچھلے سال میں اپنے چچا کے ساتھ شکار کھیلنے گیا تھا۔"

"اس کے پیٹ میں کیا بھرا ہے؟" مہمان نے سوال کیا۔

جواب ملا، "میرے چچا۔"

مرسلہ: حیدر عباس، کراچی

★ ایک آدمی کے دونوں کان جلے ہوئے تھے۔ وہ ڈاکٹر کے پاس گیا۔ تو ڈاکٹر نے پوچھا کہ یہ کیسے ہوا؟

اُس شخص نے جواب دیا کہ میں اپنے کپڑے استری کر رہا تھا کہ ٹیلے فون کی گھنٹی بجی اور میں نے ٹیلے فون کے ریسیور کے بجائے استری کان پر لگالی۔

"مگر آپ کے تو دونوں کان جلے ہوئے ہیں۔"

ڈاکٹر نے پوچھا۔

"جی ہاں، جس وقت میں نے استری نیچے رکھی اسی وقت فون کی گھنٹی دوبارہ بج اُٹھی۔" مریض نے جواب دیا۔ مرسلہ: طاہر محمود ہاشمی، خان پور

★ ایک صاحب جھیل میں کانٹا ڈالے مچھلیاں پکڑ رہے تھے کہ ایک انسپکٹر آگیا۔ اور بولا "کیا تمھارے پاس مچھلیاں پکڑنے کا لائسنس ہے؟" وہ صاحب بولے، "میں مچھلیاں تو نہیں پکڑ رہا۔"

انسپکٹر نے کہا، "اگر تم مچھلیاں نہیں پکڑ رہے تو یہ جھیل میں کانٹا کیوں ڈال رکھا ہے اور کانٹے کی ڈوری تمھارے ہاتھ میں کیوں ہے؟"

وہ صاحب بولے، "انسپکٹر صاحب! میں تو اپنے کینچوے کو کانٹے میں لگا کر تیراکی سکھا رہا ہوں۔ کیا اس کے لیے بھی لائسنس ضروری ہے۔"

★ گاہک: (سبزی والے سے) یہ سبزی کیسی ہے؟

سبزی والا: جناب! کل جو آپ سبزی لے گئے تھے وہ کیسی تھی؟

گاہک: تازہ تھی۔

سبزی والا: لے جائیے جناب! یہ کل والی ہی سبزی ہے۔

★ ایک شاعر صاحب مشاعرے میں بیٹھے ہوئے تھے کہ کسی نے آکر اطلاع دی کہ آپ کا جوتا کوئی اُٹھا کر لے گیا ہے۔

شاعر صاحب اطمینان سے بولے، "میاں! کوئی بات نہیں۔ مشاعرہ شروع تو ہونے دو۔ جب میں اپنی غزل پڑھوں گا تو ایک کی جگہ ستّر مل جائیں گے۔"

مرسلہ: حسن مہدی خراسانی، کراچی

★ ایک سائنس داں آدھا پاگل ہو چکا تھا۔ ایک روز اس نے ایک مینڈک کا آپریشن کیا اور اسے میز پر رکھ کر زور سے تالی بجائی۔ مینڈک اُچھل پڑا۔ سائنس دان نے مینڈک کی ایک ٹانگ کاٹ دی۔ اور پھر تالی بجائی۔ اس بار مینڈک ذرا کم اُچھلا۔ سائنس داں نے مینڈک کی دوسری ٹانگ کاٹ دی۔ اس بار مینڈک بالکل نہ اُچھلا۔ سائنس دان نے اور زور سے تالی بجائی۔ مینڈک پھر بھی نہ اُچھلا، کیوں کہ وہ مر چکا تھا۔

اس تجربے کے بعد سائنس دان نے اپنی نوٹ بک میں لکھا:

"اگر مینڈک کی دونوں ٹانگیں کاٹ دی جائیں تو وہ بہرہ ہو جاتا ہے۔"

مرسلہ: الماس محبوب، کراچی

اخبارِ نونہال

پنیر کا سب سے بڑا ٹکڑا

۱۸۴۰ء میں جب ملکہ وکٹوریہ کی شادی ہوئی تو کسانوں کے ایک گروہ نے آٹھ سو گایوں کا دودھ جمع کیا اور اس دودھ کا پنیر بنا کے ملکہ وکٹوریہ کو شادی کا تحفہ دیا۔ یہ پنیر کا ٹکڑا تین میٹر چوڑا تھا اور اس کا وزن چار سو کلو گرام (یعنی آٹھ سو اسّی پاؤنڈز) تھا۔

مرسلہ: محمد اسرار الحق، اسلام آباد

برفانی محل

۱۷۴۵ء میں روس کے بادشاہ نے برفانی علاقے میں ایک برف کا محل تعمیر کروایا۔ اس محل کو برف کی سلیں کاٹ کر بنوایا گیا تھا۔ اس کی تعمیر میں صرف برف اور لکڑی استعمال کی گئی تھی۔

مرسلہ: فتح الرحمٰن انصاری، کراچی

اسے چھے سیر خالص سونے کا ڈلا ملا

۱۹۷۷ء میں ایک امریکن نے اوسٹریلیا کے پہاڑی علاقے سے خالص سونے کا ایک ڈلا نکالا جس کا وزن تقریباً چھے سیر اور قیمت تقریباً ڈھائی لاکھ پونڈ تھی۔ مرسلہ: عائشہ ناز ہارون لاکھانی، سکھر

گرم پانی میں رہنے والی مچھلی

ایک مچھلی جسے انگریزی میں "کل فش" کہتے ہیں ایسے پانی میں رہتی ہے جس کا درجۂ حرارت ۲۰۰ فارن ہائیٹ ہوتا ہے۔ یعنی پانی کے نقطۂ جوش سے صرف ۱۲ درجے کم۔

مرسلہ: فوزیہ برلاس، ڈیرہ اسماعیل خاں

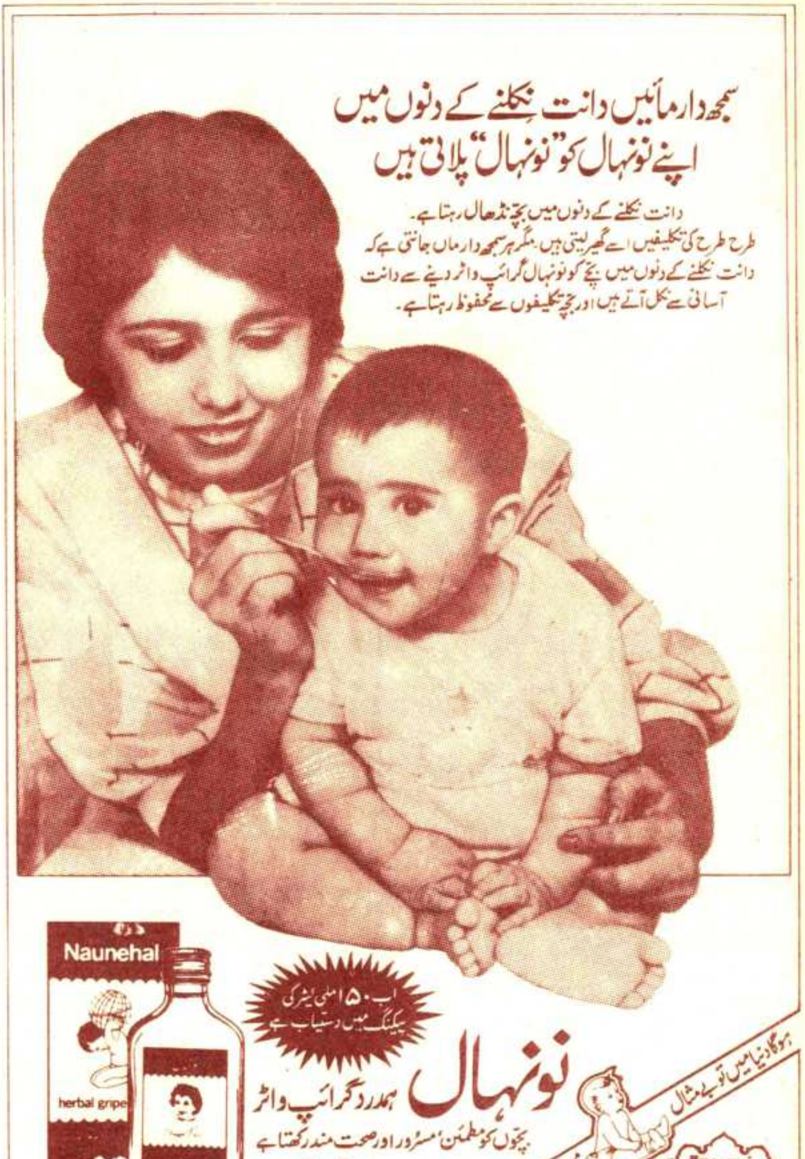

Adarts-NGW-4/R

نونہال ادیب

حمد

پسند: روبینہ خلیل، کراچی

اعلا ہے نام تیرا چھوٹی زباں ہماری
تُو نے زمین بنائی تُو نے فلک سجایا
شمس و قمر بنائے دنیا کو جگمگایا
خالق ہے دو جہاں کا دنیا کو پالتا ہے
مٹی کی مورتوں میں تُو روح ڈالتا ہے
دم بھر میں جس کو چاہے ملکوں کا شاہ کردے
جس پر غضب ہو تیرا پل میں تباہ کردے
عرش و زمیں کے مالک حسن و جمال والے
اے دو جہاں کے مالک بے حد کمال والے

نعت

پسند: محمد اکبر، کوٹ ادّو

ہر اک صفت کا تری ذات سے حصار کیا
خدا نے تجھ کو مشیّت کا شاہ کار کیا
مجھے غلام اُسے میرا شہریار کیا
مرے کریم! کرم تُو نے بے شمار کیا
براق آیا تو صف باندھ لی فرشتوں نے
رکاب چوم کے جبریل نے سوار کیا
تیرے کرم نے فقیروں کی جھولیاں بھر دیں
تیری نظر نے گداؤں کو شہریار کیا
سجا کے ختم نبوت کا تیرے سر پر تاج
خدا نے تجھ کو رسولوں کا تاجدار کیا
تری نگاہِ کرم نے اُسے تسلّی دی
وہ آنکھ جس کو زمانے نے اشکبار کیا
بترب کعبہ، یتیم و غریب بچّوں سے
حسنؓ حسینؓ کی مانندِ تُو نے پیار کیا
خدا گواہ، گناہوں پہ اپنے نادم تھا
ترے کرم نے مجھے اور شرمسار کیا
یہ کج کلاہ تو اپنوں کے دل نہ جیت سکے
تیرے خلوص نے دشمن کا دِل شکار کیا
خزاں نے اشک بہائے جب اپنی قسمت پر
تو مصطفیٰ نے کہا جا تجھے بہار کیا
تیرے طفیل ہے محشر میں سر بلند اکبر
ترا کرم کہ اُسے اُمتی شمار کیا

ٹیلی وژن

پسند: محمد عمران شیخ، کراچی

سنو ٹیلی وژن کا مجھ سے یہ حال
ہے ایجاد اس دَور کی بے مثال
لگاتا ہوں ٹی وی کو میں جب کبھی
تو سُنتا ہوں باتیں بڑے کام کی
ڈرامے، فسانے، ترانے کبھی
سُریلے مزے دار گانے کبھی
کبھی شعر خوانی کی ہے دُھوم دَھام
کہ پڑھتے ہیں خود آ کے شاعر کلام
فضا اَمن کی ہو کہ حالاتِ جنگ
دِکھاتا ہے سو سو طرح کے یہ رنگ
سُناتا ہے خبریں بڑے کام کی
کبھی چین و بھارت کی ویت نام کی

پک نک

پسند: سمیرا صدیقی، گلبرگ

نکھری ہوئی فضا تھی
کیا کیف زا ہوا تھی
ہر چیز خوش ادا تھی
ہر شے میں خوش نمائی

ہم سب نے ایک پک نک
چُھٹی کے دن منائی

ٹھٹھے کے اس سفر کا
مضبوط تھا ارادہ
ہر ایک منتظر تھا
اُمید بھی بَر آئی

ہم سب نے ایک پک نک
چُھٹی کے دن منائی

وہ کھیت لہلہاتے
وہ پُھول مسکراتے
طائر تھے گیت گاتے
تھی سب میں خود نمائی

ہم سب نے ایک پک نک
چھٹی کے دن منائی

میری بکری

پسند: صائمہ محمد حسین، کراچی

جب سے میری باری آئی
روزانہ ہے دودھ ملائی
بادامی سا رنگ ہے اس کا
کالا بچّہ سنگ ہے اس کا
سب کے من کو بھاتی ہے
دال چنے کی کھاتی ہے
مَیں مَیں کر کے شور مچائے
سوتے ہوؤں کو روز جگائے

★

پرندے

پسند: سہیل وہاب، ٹیکسلا

پرندے چہچہاتے پھر رہے ہیں
سحر کے گیت گاتے پھر رہے ہیں
فضاؤں میں سفر جاری ہے اُن کا
پَروں کو پھڑپھڑاتے پھر رہے ہیں
جماتے پھر رہے ہیں رنگ ہر سُو
بڑی موجیں اُڑاتے پھر رہے ہیں
کبھی پھولوں کو آکر چھو دیتے ہیں
کبھی پتّے ہلاتے پھر رہے ہیں
کرن اُٹھو اور اُٹھ کر تم بھی دیکھو
یہ ہم سب کو جگاتے پھر رہے ہیں

پانی

پسند: رابعہ ثانی، حیدرآباد

بچّو! اس کا نام ہے پانی
دنیا میں ہے یہ لاثانی
اس کے نام ہزاروں ہیں
اس کے کام ہزاروں ہیں
یہ اللہ کی نعمت ہے
سب کے لیے ہی رحمت ہے
رہ نہیں سکتے اس کے بِنا
پنکھ پکھیرو یا انساں
پانی سمندر پانی دریا
اس سے نکلیں موتی بھیّا
شکر ہے تیرا اے مولا
تُو نے ہم کو پانی دیا

غفلت چھوڑو

پسند: حامد الحق علوی، شکار پور

اُٹھو بیٹا غفلت چھوڑو
غفلت چھوڑو کچھ کر گزرو
مایوسی کی دُھند کو چھانٹو
علم کی تم تلوار سے کاٹو
کوئی نہیں ہے جھوٹا سچّا
کوئی نہیں ہے کڑوا میٹھا
دولت سے ہر چیز نہ تولو
کوئی بڑا تم بول نہ بولو
محنت کر کے آگے آؤ
علم سے اپنے پاؤں جماؤ
کرنے پر جب کام تم آؤ
ٹوٹی کشتی پار لگاؤ
اُٹھو بیٹا غفلت چھوڑو
غفلت چھوڑو کچھ کر گزرو

اتحاد و یک جہتی

شاہدہ بانو، کراچی

ہر اجتماعی مقصد کے حصول کے لیے آپس کا تعاون بہت ضروری ہوتا ہے اور مل جل کر کسی کام یا مقصد کو حاصل کرنے کی کوشش کا نام یک جہتی ہے۔ یک جہتی کے بغیر کوئی قوم ترقی کی راہ پر گامزن نہیں ہو سکتی۔ ہم یک جہتی کی مثال ہاکی کے کھلاڑیوں سے لے سکتے ہیں۔ اگر وہ کھیل انفرادی طور پر کھیلتے ہیں تو ان کو شکست کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ جب کہ ہر کھلاڑی اجتماعی طور پر مل کر اپنی مخالف ٹیم کا مقابلہ کرے تو اس کو جیت حاصل ہو گی۔

یک جہتی اور اتحاد صرف انسانوں کے لیے ہی نہیں بلکہ حیوانوں کے لیے بھی لازمی جُزو رکھتا ہے۔ اگر کوئی شکاری جانوروں کے شکار کے لیے جاتا ہے تو وہ جانوروں کی نقل و حرکت کا باقاعدہ معائنہ کرتا ہے جو جانور اکیلا ہوتا ہے شکاری کی نظر میں آجاتا ہے، کیوں کہ اُسے معلوم ہوتا ہے کہ اگر وہ جانوروں کے گروہ پر حملہ کرے گا تو خود ان کا شکار ہو جائے گا۔

ایک پانی کے قطرے کی کوئی حیثیت نہیں لیکن اگر وہی پانی کا قطرہ مسلسل کسی چیز پر گرتا رہے تو اس میں بھی گڑھا کر دیتا ہے۔ بالکل اسی طرح پانی کی ایک لہر کی بھی کوئی حیثیت نہیں تنہا اُچھل کر کنارے پر آتی ہے اور مٹی میں جذب ہو جاتی ہے۔

لیکن یہی لہر اگر سیلاب کی صورت میں آئے تو بڑی تباہی کا باعث ہوتی ہے۔ اس بات کو علامہ اقبال نے یوں کہا ہے:

فرد قائم ربطِ ملّت سے ہے تنہا کچھ نہیں
موج ہے دریا میں اور بیرونِ دریا کچھ نہیں

اسلام بھی ہمیں اس بات کی ترغیب دیتا ہے کہ ہم نے اپنے اندر اتحاد اور نظم و ضبط قائم رکھیں۔ اسلام سے پہلے تمام عرب قبیلوں میں بٹا ہوا تھا۔ اُن میں تعصب اور نفرت نے جڑ پکڑی ہوئی تھی۔ ہر قبیلہ بُت پرست تھا لیکن ان کا مذہب بھی ان میں اتحاد قائم نہ رکھ سکا۔ اس کے برعکس جب سب نے اللہ تعالیٰ کو اپنا معبود بنایا تو سب کا ایک مقصد ٹھیرا۔

اس اتحاد اور یک جہتی کی بہ دولت مُٹھی بھر مسلمانوں نے ۲۳ سال کے مختصر عرصے میں پوری دنیا میں اسلام کا بول بالا کر دیا۔ اسلام نے ہمیں درس دیا کہ کوئی نہ کالا ہے نہ گورا، مہاجر ہے نہ سندھی سب مسلمان ہیں اور آپس میں بھائی بھائی ہیں۔ آپس میں یک جہتی قائم کرنے کے لیے نماز ہمیشہ باجماعت پڑھنی چاہیے۔ اس سے ہر قسم کا فرق مٹ جاتا ہے اور یک جہتی کا جذبہ پیدا ہوتا ہے۔ علامہ اقبال نے خوب کہا ہے:

ایک ہوں مسلم حرم کی پاسبانی کے لیے
نیل کے ساحل سے لے کر تابہ خاکِ کاشغر

آج وہ وقت آگیا ہے جب ہمیں اپنے اندر

اتحاد اور یک جہتی کا جذبہ دیکھنا ہے۔ آج کل پاکستان اس منزل پر ہے کہ اگر ہم نے آپس میں یک جہتی پیدا نہ کی تو ہمیں گھاٹا اُٹھانا پڑے گا۔ اس لیے ہمیں چاہیے کہ ہم اپنے آپ کو اتنا مضبوط کریں کہ کوئی بھی ہمارے وطنِ عزیز کو ٹیڑھی نگاہ سے نہ دیکھ سکے۔

شہیدِ ملّت

حامد علی شاہد، لاوہ

پاکستان کی تاریخ جن عظیم ہستیوں کے ناموں سے درخشاں ہے ان میں ایک نام پاکستان کے وزیرِ اعظم لیاقت علی خاں کا بھی ہے۔ آپ یکم اکتوبر ۱۸۹۵ء کو مشرقی پنجاب میں کرنال کے مقام پر پیدا ہوئے۔ آپ کے والد محترم نواب رستم علی خاں کرنال کے ایک بڑے رئیس تھے۔ عام مسلمانوں کے لیے ان کے دل میں جو محبت اور ہمدردی تھی اس کی مثال بہت کم ملتی ہے۔ محنت، محبت، ہمدردی اور دیانت داری جناب لیاقت علی خاں کو ورثے میں ملی۔ آپ نے ابتدائی تعلیم وطن میں حاصل کی اور وہیں سے میٹرک کرنے کے بعد علی گڑھ کالج میں داخل ہوئے جہاں سے بی اے کا امتحان اعلا نمبروں سے پاس کیا۔ ۲۴ سال کی عمر میں انگلستان چلے گئے اور ایم۔ اے اور بار ایٹ لا کی ڈگریاں حاصل کیں۔ انگلستان میں قیام کے دوران آپ نے اوکسفرڈ یونین کی انڈین مجلس کی سیاسی بحثوں میں سرگرم حصہ لیا۔ ۱۹۲۳ء میں انگلستان سے فارغ التحصیل ہو کر واپس لوٹے اور بھارت کے صوبے اُتر پردیش میں رہائش اختیار کی۔

اسی سال آپ مسلم لیگ میں شامل ہو گئے۔ اور آپ کی محنت اور خلوص نے آپ کو مسلم لیگ کے جنرل سکریٹری کے عہدے تک پہنچا دیا۔ ۱۹۴۲ء میں آپ عبوری حکومت میں وزیرِ خزانہ بنائے گئے۔ وزیرِ خزانہ بننے کے بعد لیاقت علی خاں نے ایسا بجٹ پیش کیا جو غریبوں کا بجٹ کہلایا۔

۱۴۔ اگست ۱۹۴۷ء کو جب پاکستان وجود میں آیا تو آپ پاکستان کے پہلے وزیرِ اعظم بنے۔ حکومت کا محکمۂ دفاع بھی آپ ہی کے سپرد تھا۔ دسمبر ۱۹۴۷ء تک آپ وزارتِ خارجہ کا کام بھی کرتے رہے۔ پاکستان بننے کے بعد آپ نے اپنی ذات کے لیے کوئی کام نہیں کیا۔ بلکہ عوام کی بھلائی اور پاکستان کی ترقی کو اپنی ذاتی بھلائی اور ترقی سمجھا۔

۱۹۴۹ء میں آپ نے پاکستان کی مجلسِ دستور ساز میں قرار دادِ مقاصد پیش کرتے ہوئے دنیا پر واضح کر دیا کہ پاکستان کا آیندہ نظامِ حکومت اسلامی ہوگا۔ ۱۹۵۰ء میں آپ نے پاکستان اور ہندستان کی اقلیتوں کے تحفظ کے سلسلے میں دہلی کا سفر کیا اور ایک معاہدہ طے ہوا جو "نہرو لیاقت معاہدے" کے نام سے مشہور ہوا۔ مئی ۱۹۵۰ء میں آپ نے امریکا کا دورہ کیا۔ اہلِ امریکا نے آپ کا شان دار خیر مقدم کیا۔

اکتوبر ۱۹۵۰ء میں آپ متفقہ طور پر پاکستان مسلم لیگ کے صدر منتخب ہوئے۔ ۱۶۔ اکتوبر ۱۹۵۱ء کو آپ راول پنڈی کے جلسۂ عام میں ایک تقریر کرنے کھڑے ہوئے تھے کہ آپ پر فائر کیا گیا۔ گولیاں سیدھی دِل میں لگیں اور پاکستان کی یہ عظیم ہستی ہمیں ہمیشہ ہمیشہ کے لیے چھوڑ گئی۔ ملک اور قوم سے آپ کو کتنی محبّت تھی، اس کا اندازہ آپ کی اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ شہید ہوتے وقت آپ کے آخری الفاظ یہ تھے:

"خُدا پاکستان کی حفاظت کرے۔"

ابوالہول

مدیحہ سیف، بہاول پور

اہرام مصر میں ایک بڑا بت ہے جس کا سَر انسان کا اور دھڑ شیر کا ہے۔ اس کی لمبائی ۶۶ گز اور اونچائی ۲۴ گز ہے۔ اسے دیکھ کر بڑا خوف آتا ہے، اسی لیے اسے ابوالہول کہتے ہیں۔ یعنی خوف والا۔

یہ بُت غزہ کے قریب ایک بڑی چٹان تراش کر بنایا گیا ہے۔ پہلے پہل اس کا صرف سَر نظر آتا تھا۔ پھر مصر کے محکمۂ آثارِ قدیمہ نے ۱۸۱۷ء میں یہاں کھُدائی کی۔ صدیوں کی بیٹھی ہوئی مٹّی اور ریت ہٹائی گئی تو یہ پورا بُت ظاہر ہوا۔ اس کی داڑھی اور ناک ٹوٹ چکی ہے جس سے وہ اور بھی خوف ناک نظر آتا ہے۔

اس بُت کی کہانی یہ ہے کہ یہ ایک جن تھا اور مختلف شکلیں بدلتا رہتا تھا۔ یہ لوگوں سے بڑے بڑے سوال کر کے تنگ کیا کرتا تھا۔ اور اگر وہ اس کے سوالوں کے جواب نہ دیتے تو انھیں کھا جاتا تھا۔

اس کا سب سے اہم سوال یہ تھا کہ وہ کون سا جانور ہے جو صبح کو چار ٹانگوں پر چلتا ہے، دوپہر کو دو ٹانگوں پر اور شام کو تین ٹانگوں پر چلتا ہے۔ ایک شخص نے اس کے سوالوں کا جواب دے دیا۔ اس کا جواب یہ تھا کہ وہ انسان ہے جو بچپن میں چار ہاتھ پاؤں سے چلتا ہے، جوانی میں دو ٹانگوں پر اور بڑھاپے میں دو ٹانگوں اور ایک لاٹھی کے سہارے چلتا ہے اس کے بعد یہ جن پتّھر کا بن گیا۔

علم بڑی دولت ہے

شارقہ قمر، کراچی

"علم بڑی دولت ہے۔" بلکہ میں تو یہ کہوں گی کہ علم دنیا کی سب سے بڑی دولت ہے۔ لیکن میں یہ جاننا چاہتی تھی کہ علم آخر بڑی دولت کیوں ہے؟ جب میں نے غور کیا اور پڑھا اور پھر غور کیا تو میرے ذہن کو اس مشکل سوال کا جواب مِل گیا ہے۔ یعنی رُپے پیسے کی تو ہمیں خود حفاظت کرنی پڑتی ہے۔ اور رُپیہ پیسہ تو آنی جانی چیز ہے۔ ہر وقت دھڑکا لگا رہتا ہے کہ کوئی چور یا ڈاکو ہماری دولت کو لوٹ نہ لے۔ کتنی حقیر چیز ہوئی یہ دولت۔ ایسی دولت جو

خود ہمارے لیے مصیبت و پریشانی ہو۔ بھلا وہ دولت کیا دولت ہے؟

اس کے برعکس علم کو کوئی طاقت، چالاک و عیار چور یا ڈاکو ہم سے کبھی نہیں چُرا سکتا۔ یہ ہماری حفاظت کرتا ہے۔ جب کوئی چیز یعنی بندوق، تلوار وغیرہ ناکام ہو جاتی ہے تو ذہانت ہمیں بچا لیتی ہے۔ اس طرح علم ہماری پوری پوری حفاظت کرتا ہے۔

میں سوچ رہی تھی کہ اگر میرے پاس دولت ہو لیکن علم نہ ہو تو حقیقت میں ہماری کوئی عزّت نہیں کرتا۔ صرف بناوٹی عزّت ہوتی ہے۔ تو پھر کون سی دولت بڑی ہوئی۔ ظاہر ہے علم۔ پھر علم ہمیں آدابِ زندگی بھی سکھاتا ہے۔ اس کے علاوہ ہمیں محبّت کا سبق دیتا ہے۔ میں نے ایک عالم کا مقولہ پڑھا ہے کہ علم کا مقصد رُپیہ پیسہ کمانا نہیں بلکہ صرف اگر کوئی بڑا مقصد ہے تو آدمی کو انسان بنانا ہے۔ ورنہ تو رُپیہ پیسہ کمانے کے اور بہت سے طریقے ہیں۔

یہی علم کی سب سے بڑی دولت ہے۔ علم ہی وہ شمع ہے جو ہمیں عمل اور مکمل عمل پر اُکساتی ہے اور ہم انسان بن جاتے ہیں۔

علم کے حوالے سے علامہ اقبالؒ نے کیا خوب کہا ہے۔

زندگی ہو مِری پروانے کی صورت یارب
علم کی شمع سے ہو مجھ کو محبّت یارب

عجیب خواب

داور اظفر خلیل، مسقط

"اُف! کیا بات ہے؟ اتنی جلدی کیوں اُٹھ رہے ہو؟"

"جناب! آپ نے جو وقت کل رات میرے پروگرام میں ڈالا تھا، اسی وقت پر اُٹھ رہا ہوں۔"

"اوہ! یاد آیا۔ مونی! ایسا کرو میرے کپڑے وغیرہ تیار کرو۔ میں ابھی نہا کر آیا۔"

یہ کہہ کر میں نہانے چلا گیا۔ نہا کر آیا، کپڑے بدلے، تیار ہوا اور کھانے کی میز پر بیٹھ کر اپنے خانساماں روبوٹ کو آواز دی:

"ارے بھئی شاینگو! ناشتا لے آؤ، وقت بہت کم ہے۔"

"بس جی ابھی لایا۔"

مونی نے مجھ سے پوچھا، "آج اتنی جلدی اُٹھنے کی وجہ؟ کہاں جانا ہے؟"

"ارے مونی! یہ ایک لمبی کہانی ہے۔ ابھی ایک ہفتہ پہلے جو میں چاند پر گیا تھا...... تو وہاں میری ملاقات ایک شخص سے ہوئی۔ وہ بے حد افسردہ دکھائی دے رہا تھا۔ مجھ سے اس کی حالت دیکھی نہ گئی۔ میرے پوچھنے پر اس نے بتایا کہ ایک مہینے پہلے اس نے چاند پر ایک پلاٹ خریدا تھا جو ابھی تک اسی طرح پڑا ہے۔ اس کی خواہش ہے کہ وہ اس

پر اپنا گھر تعمیر کروائے تاکہ اپنے بیوی بچّوں سمیت چاند پر شفٹ ہوسکے۔ مگر اس کے پاس گھر بنوانے کے لیے پیسے نہیں ہیں۔ اس کے پاس صرف دو پہیے کا پٹرا اور کچھ کاریں وغیرہ ہیں۔ نہ کوئی چاند گاڑی ہے اور نہ کوئی تیز رفتار ہوائی جہاز ہے۔"

"تو وہ چاند پر کیسے جاتا ہے؟" مونی نے تعجب سے پوچھا۔

"وہی تو بتا رہا تھا مگر تم خاموش تو بیٹھ ہی نہیں سکتے۔"

مونی (خادم روبوٹ): معاف کر دیجیے جناب۔

"ٹھیک ہے، ٹھیک ہے! ہاں وہ بڑی مشکل سے اپنے کسی دوست کے ساتھ چاند پر کبھی کبھی اپنا پلاٹ دیکھنے چلا جاتا۔ وہ ایک دو سال مریخ پر گزارنا چاہتا ہے تاکہ کچھ رقم جمع کر کے چاند پر اپنا گھر تعمیر کرواسکے۔ مریخ پر تو کام کا معاوضہ بہت زیادہ ملتا ہے نا۔ لہٰذا آج میں مریخ جا رہا ہوں۔"

مونی: اس کو نوکری دلواتے؟

"نہیں بھئی! دراصل مریخ والوں کو پٹرول کی ضرورت ہے۔ وہ اسے مریخ پر بنائے جانے والے کائنات کے سب سے بڑے عجائب گھر میں رکھنا چاہتے ہیں تاکہ لوگوں کو معلوم ہوسکے کہ بیسویں صدی کے انسان کی ترقی کا دارومدار پٹرول پر ہی تھا اور وہ اس کے بدلے کوئی بھی چیز دینے کو تیار ہیں۔"

"ابّو، ابّو! یہ پی ٹی رول کیا ہوتا ہے؟" میرے ننھے مُنّے بیٹے رضوان نے معصومیت سے پوچھا۔

"پی ٹی رول نہیں بیٹے پٹرول۔"

"جی، جی، وہی، کیا ہوتا ہے؟"

"بیٹا! یہ ایک قسم کا ایندھن تھا جس سے پہلے کے انسان نے کاریں اور دوسری بہت سی چیزیں چلائی تھیں۔ بتایا جاتا ہے کہ ان کی ترقّی کا زیادہ تر دارومدار اسی چیز پر تھا۔ جب مریخ کا عجائب گھر مکمل ہو جائے گا تو میں تمھیں وہاں لے جاؤں گا۔ وہاں اسی طرح کی اور بہت سی چیزیں ہیں۔ مثلاً پٹرول سے چلنے والی کاریں، جیٹ ہوائی جہاز، ریل کے انجن وغیرہ وغیرہ۔"

مونی: مگر آپ کے پاس یہ چیز (پٹرول) آئے گی کہاں سے؟

"آئے گی نہیں موجود ہے! ہمارے دادا کے دادا کے پاس پٹرول سے چلنے والی کار تھی۔ ان کے زمانے میں یہی کاریں چلتی تھیں۔ دادا بتاتے تھے کہ ان کے دادا ہمیشہ ایک گیلن پٹرول کا گھر میں احتیاطاً رکھتے تھے تاکہ وقتِ ضرورت کام آئے مگر پھر شمسی توانائی سے چلنے والی کاریں آ گئیں تو انھوں نے وہ خرید لیں اور وہ پٹرول اسی طرح پڑا رہا۔ وہ گیلن میں بند تھا۔ اس کے خشک ہونے کی رفتار بھی بہت سُست تھی۔ اب بھی اس میں کچھ پٹرول باقی ہے۔ کل میں نے دیکھا تھا اس میں تقریباً ایک گلاس پٹرول

موجود ہے۔"

"بھئی شاینگو! ناشتا لے آؤ۔ اس ہفتے مریخ پر جانے کے لیے صرف ایک ہی ٹریگل ہے۔ اگر وہ بھی نکل گئی تو۔۔۔۔"

شاینگو نے میرے سامنے پانچ انڈے لا کر رکھ دیے۔ میں نے ایک ایک کو دبانا شروع کیا۔ پہلا کھُل کر دودھ کا گلاس بن گیا، دوسرا ڈبل روٹی، تیسرا مکھن، چوتھا جام اور پانچواں رومال۔

موتی: آپ مریخ والوں سے پیٹرول کے بدلے میں کیا لیں گے؟

"میں نے سوچا ہے کہ میں ان سے دو عدد ٹریگل لے لوں کیوں کہ میرے پاس باقی تو سب چیزیں ہیں یعنی سولر پاور کاریں، چاند گاڑی اور کنکارڈ وغیرہ۔ بس مریخ پر جانے کے لیے ٹریگل نہیں ہے۔ ان میں سے ایک ٹریگل میں اپنے استعمال کے لیے رکھوں گا اور دوسرا غریبوں کے لیے مفت چلاؤں گا تاکہ اس شخص جیسے بہت سے لوگوں کا بھلا ہو۔"

یہ لو بھئی، پینوچو (خانساماں روبوٹ) یہ میز صاف کرو۔

اور ہاں بیٹا رضوان۔ تم اپنی ممی کو تنگ نہیں کرنا۔ موتی تم تمام کام سنبھال لینا میں ایک دو روز میں آجاؤں گا۔

ارے شوباکو (ملازم روبوٹ) تم ایسا کرو کہ میرے کمرے سے میرا سامان لے جا کر گاڑی میں رکھ دو۔"

"جی بہتر۔" شوباکو نے کہا اور چلا گیا۔

"اچھا بھئی! میں تو چلا اللہ حافظ۔"

اتنے میں امی کی تیز آواز میرے کانوں میں پڑی وہ کہہ رہی تھیں "اُٹھو بیٹا! اسکول جانا ہے ورنہ کل کی طرح آج بھی دیر ہو جائے گی۔"

آنکھ کھُلی تو میں اپنے کمرے میں موجود تھا۔ تب ہی ایک لمحے کے لیے میں نے سوچا کہ کیا وہ میرا خواب تھا۔ مگر کتنا عجیب اور پُرلطف!

بزم ہمدرد نونہال

شیریں فیروزالدین، کراچی

جب ہمیں بزم ہمدرد نونہال کا دعوت نامہ موصول ہوا تو ہم نے دل میں پکّا ارادہ کر لیا کہ ہم اس میں ضرور شامل ہوں گے۔

۲۸ جولائی جمعرات کو صبح ہی سے موسم خوش گوار تھا اور ہلکی ہلکی بارش ہو رہی تھی۔ آج سب نونہالوں کے دل خوش تھے۔ یہ بزم ایک طرح سے عید ملن پارٹی تھی جو شام چار بجے تاج محل ہوٹل میں منعقد ہوئی۔ وقت سے پہلے ہی ہال کھچا کھچ بھر گیا تھا اور لوگوں نے اپنے لیے سیڑھیوں پر جگہ بنائی۔

ٹھیک چار بجے جناب حکیم محمد سعید صاحب تشریف لائے۔ تقریب کی شروعات تلاوتِ کلامِ پاک سے ہوئی۔ پھر محفلِ نعت منعقد ہوئی جس میں بہت سے نونہالوں نے شرکت کی۔

اس کے بعد حکیم محمد سعید صاحب کو اسٹیج پر مدعو کیا گیا۔ اُن کی آمد پر بہت جوش و خروش سے تالیاں بجائی گئیں۔ انھوں نے اپنی چھوٹی سی تقریر میں فرماں برداری اور اطاعت کا پیغام دیا اور سب کا شکریہ ادا کیا۔

آپ نے تقریب کے مہمانِ خصوصی جناب معین الدین صاحب، جناب یوسف عابدی صاحب اور جناب ڈاکٹر محمد قمر صاحب کا شکریہ ادا کیا اور ان کو خوش آمدید کہا۔ اس محفل میں ایک بچّی مُنیبہ کی بسم اللہ بھی پڑھائی گئی۔

جادو وہ ہے جو سر چڑھ کر بولے:

ملک کے مایہ ناز جادوگر جناب اشفاق حسین لودھی اور جناب افضل حسین لودھی نے جادو کے کمالات دِکھا کر لوگوں کے دل جیت لیے۔ کھارادر پرائمری اسکول اور آغا خان گرلز اسکول کی بچّیوں نے پہاڑ اور گلہری، شیر اور چوہا اور ہمدردی پر ٹیبلو پیش کیے اور مزاحیہ قوالی گائی۔

آخر میں جناب مسعود احمد برکاتی صاحب نے سب نونہالوں کو تلقین کی کہ نظم و ضبط اور اتحاد کا مظاہرہ کر کے پاکستان کی خدمت کریں۔

ہمدرد نونہال، اکتوبر ۱۹۸۸ء

جہلم

عظمیٰ ناہید، جہلم

جہلم ایک بہت ہی پیارا شہر ہے۔ اگرچہ یہ پاکستان کا ایک چھوٹا سا شہر ہے، لیکن یہاں کے لوگوں نے پیار محبّت، محنت اور خلوص سے اس چھوٹے سے شہر کو لالہ زار بنا دیا ہے۔ یہ شہر بہت صاف سُتھرا ہے۔ یہاں کے رہنے والے بہت سُلجھے ہوئے ہیں۔ اس شہر میں ایک بہت بڑی فوجی چھاؤنی بھی ہے۔ یہ بہت خوب صورت جگہ ہے۔ چھاؤنی کی تمام سڑکوں کے اردگرد خوب صورت درخت ترتیب سے لگے ہوئے ہیں۔ چھاؤنی میں بچّوں کے کھیلنے کے لیے ایک بہت بڑا پارک ہے۔ پارک میں سایہ دار درخت ہیں۔ دوپہر کے بعد یہاں بچّے کھیلتے ہوئے دکھائی دیتے ہیں۔

جہلم کی جنوبی اور جنوب مشرقی حدود کے ساتھ ساتھ دریائے جہلم بہتا ہے۔ لوگ جب کام سے فارغ ہوتے ہیں تو دریا کی سیر کو چلے جاتے ہیں۔ کچھ لوگ کنارے پر بیٹھ کر ہی لطف اندوز ہوتے ہیں اور کچھ کشتی میں بیٹھ کر دریا کی سیر کو نکل جاتے ہیں۔ اس دریا میں ایک بہت خوب صورت مسجد بنی ہوئی ہے جو مسلمانوں کے طرزِ تعمیر کا ایک شاہکار ہے۔ جہلم کے قریب ہی کوہِ نمک کی مشرقی پہاڑیاں نظر آتی ہیں۔ یہ پہاڑیاں دُور سے سُرخی مائل اور

گلابی نظر آتی ہیں۔ کوہ نمک کے دونوں طرف خوب صورت ندی نالے بہتے ہیں جو یہاں کا حُسن دوبالا کرتے ہیں۔

جہلم سے تقریباً ۱۵ کلو میٹر کے فاصلے پر ایک بہت بڑا قلعہ ہے۔ جسے "قلعہ رہتاس" کہا جاتا ہے۔ یہ قلعہ شیر شاہ سوری نے تعمیر کروایا تھا۔

بس

کامران بلوچ صنم، اوکاڑہ

بس ایک ایسا جانور ہے جس کی دُم نہیں ہوتی۔ کھڑکیوں میں لٹکے ہوئے انسان اس کے کانوں کا کام دیتے ہیں۔ اس کو ایک آدمی چلاتا بلکہ ہانکتا ہے۔ بس ایک ایسا پنجرہ ہے جس میں انسان ٹھونسے جاتے ہیں۔ اس کی کھڑکیوں میں شیشوں کی جگہ کرچیاں لگی ہوتی ہیں جن کی گارنٹی غالباً پچاس سال ہوتی ہے۔ جب بس چلتی ہے تو سواریوں کے درمیان خود بخود کبڈی میچ شروع ہو جاتا ہے۔ اُلو رات کو جاگتا ہے مگر بس کی لائٹس رات کو سوتی ہیں۔

اس میں ایک آدمی ٹکٹ کی آواز بھی لگاتا ہے مگر ٹکٹ دیتا ہرگز نہیں۔ کہتے ہیں کہ بس اور اینٹوں کا بھٹّا دونوں بہن بھائی ہیں۔ میرے خیال میں بس کا نام بس کے بجائے انتظار ہونا چاہیے کیوں کہ کئی مرتبہ بس کی بس بھی ہو جاتی ہے۔ کام کی بات یہ ہے کہ بس میں سوار ہوتے وقت صدقہ اور اُترتے وقت خیرات دینی چاہیے۔

وبالِ جان

محمد ندیم اکمل، فیصل آباد

گھر سے تھوڑے ہی فاصلے پر سڑک تھی۔ ابھی ہم گھر سے نکل کر سڑک پر پہنچے ہی تھے کہ ایک زوردار قسم کی چیخ سُنائی دی۔ ہمیں اپنے کان سائیں سائیں کرتے محسوس ہوئے جیسے چیخ کی قسم کو سمجھنے سے قاصر ہوں۔ ہم نے چیخ کی جنس پر غور کیا۔ آیا یہ چیخ مردانہ وقار رکھتی ہے یا پھر نسوانی ہے۔ اچانک ذہن میں خیال آیا کہ کہیں صور تو نہیں پھونک دیا گیا۔ ہمیں اپنے اعمال نامے کی فکر ہوئی۔ اسی دوران ایک بس زاں کرتی ہوئی ہمارے قریب سے گزری۔ بس کی چیخ (یعنی پریشر ہارن جو بس والے عموماً راہ گیروں سے مذاق کے لیے بھی استعمال کرتے ہیں) کا ماحول پر کچھ ایسا اثر ہوا کہ بس گزرنے کے بعد فضا بالکل خاموش ہو گئی۔ اور ہم پر اس کا اثر کچھ یوں ہوا کہ دیر تک اُسی حالت میں کھڑے دُور تک بس کو جاتا دیکھتے رہے۔

ابھی پرسوں کی بات ہے میں اور میرا دوست افتخار مال روڈ سے گزر رہے تھے۔ مال روڈ پر رش اتنا تھا کہ اللہ کی پناہ۔ میں نے افتخار سے

کہا کہ سڑک پر تو اتنا رش ہے کہ مجھے یہ سوچ کر حیرت ہوتی ہے کہ بسیں، کاریں اور رکشے وغیرہ اپنا راستہ کیسے بناتے ہوں گے۔ میری بات سُن کر افتخار نے مجھے اور پھر مال روڈ کو دیکھا اور بولا،

"بھائی سب کچھ تمھارے سامنے ہے خود ہی دیکھ لو۔"

اور میں سڑک پر رش اور ٹریفک کے شور پر غور کرنے لگا۔

سڑک پر ہر طرح کا شور، رکشاؤں کا شور، بغیر سائیلنسر کی موٹر سائکلوں کا شور، گدھا گاڑیوں کا دو طرح کا شور، اوّل تو گدھوں کے واویلا کرنے کا اور دوسرے ان کے مالکوں کے لڑنے کا اور گدھوں پر غصہ اُتارنے کا شور، چھابڑی والوں کا شور جو فٹ پاتھ کو اپنی ملکیت سمجھتے ہیں۔ غرض بے شمار قسموں کا شور تھا۔

پھر یوں ہوا کہ مجھے اپنے کانوں کے پردے پھٹتے ہوئے محسوس ہوئے۔ یہ دھما کا سُن کر افتخار زمین پر دراز ہو گیا اور اس نے اپنے کانوں میں انگلیاں دے لیں۔ بے چارہ سمجھ رہا تھا کہ ہوائی حملہ ہوا ہے۔ رکشہ جہاں تھے وہیں رُک گئے، موٹر سائکلوں کا شور خود بہ خود بند ہو گیا۔ گدھوں نے واویلا کرنا بند کر دیا اور ان کے مالکوں نے ان کی دُھنائی ایک دم روک دی۔ چھابڑی والوں کی چھابڑیاں اُلٹ گیئں۔ غرض ہر ایک پر اس دھماکے کا کچھ نہ کچھ اثر ہوا اور تمام ٹریفک جام ہو گیا۔ ایسے میں ایک بس دھواں اُڑاتی، رکشاؤں، گدھا گاڑیوں اور کاروں کے درمیان میں سے راستہ بناتی، ٹریفک والوں کا مذاق اُڑاتی ہوئی خراماں خراماں وہاں سے گزر گئی۔ میں نے اپنے دوست کو زمین پر سے اُٹھایا اور اسے بتایا کہ ہوائی حملہ ختم ہو چکا ہے۔ جہاز واپس چلا گیا ہے۔ لیکن اس پر مسلسل خوف طاری تھا۔

گویا ثابت ہوا کہ بس کا پریشر ہارن اپنی باریک اور بھاری (بعض اوقات باریک اور بعض اوقات بھاری) آواز کے استعمال سے ہر جان دار اور بے جان چیز کا برین واش کرنے کی صلاحیت رکھتا ہے۔

اور یہ واقعہ بھی کچھ اسی بات کی تصدیق کرتا ہے۔

ہوا یوں کہ بھائی جان کو اور مجھے فیصل آباد سے لاہور جانا تھا۔ ہمارا پروگرام ہمیشہ سے ہی ٹرین سے سفر کرنے کا رہا ہے۔ اس مرتبہ بھی ہمارا ٹرین سے سفر کرنے کا پروگرام تھا۔ لیکن شامتِ اعمال کہ ریل گاڑی ہمارے پہنچنے سے پہلے ہی ہمیں منھ چڑاتی ہوئی اسٹیشن سے باہر نکل چکی تھی۔ جیسے ہمیں کہہ رہی ہو کہ دیکھیں کون پہلے پہنچتا ہے۔ ہم ہاتھ ملتے اسٹیشن سے باہر نکلے۔

میں نے بھائی جان سے کہا کہ واپس گھر چلتے ہیں ۔شام کی گاڑی سے چلے چلیں گے ۔ لیکن بھائی جان نے انکار میں سر ہلایا اور ہمیں پیچھے آنے کا اشارہ کیا۔ ہم بادلِ نخواستہ ان کے پیچھے ہو لیے ۔

ہمارا رکشا سیدھا جنرل بس اسٹینڈ کی طرف جا رہا تھا اور ہمارا دل ڈوبا جا رہا تھا۔ بس کو دیکھتے ہی میں نے دوبارہ رکشے میں گھسنے کی کوشش کی لیکن بھائی جان نے ہمیں گردن سے دبوچ لیا۔

میں نے بھاگ جانے کی بڑی کوشش کی لیکن بے سُود ۔ آخر سامنے والی ڈسپنسری سے روئی لی اور دونوں کانوں میں ٹھونس لی اور آنکھیں بند کر کے بس میں بیٹھ گیا۔ بس روانہ ہوئی ۔

کوئی آدھے گھنٹے کے بعد میں نے ڈرتے ڈرتے آنکھیں کھولیں ۔ سامنے سڑک صاف تھی۔ کچھ اطمینان ہوا۔ لیکن پھر اچانک سامنے سے بس اور بائیں طرف سے بھینس نمودار ہوئی۔ بھینس نے ٹریفک کے اصولوں کو نظر انداز کرتے ہوئے دائیں بائیں دیکھے بغیر سڑک پار کرنے کی کوشش کی دونوں بسوں کے ہارن عین اس وقت دہاڑے جب بھینس سڑک کے بیچ پہنچ چکی تھی ۔ہارن کی آواز سنتے ہی بھینس کے سوچنے سمجھنے کی تمام صلاحیتیں ختم ہو گئیں اور وہ جہاں تھی وہیں رُک گئی۔ چناں چہ سامنے والی بس نے ایک بڑے درخت پر چڑھنے کی ناکام کوشش کی ۔ ہماری بس کے بریک چرچرائے اور بس عین بھینس کے سامنے جا کر کھڑی ہو گئی جیسے اُسے بُل فائٹنگ کی دعوت دے رہی ہو ۔

بس والے نے دوبارہ ہارن بجایا اور بھینس نے اپنی گردن کو گھُما کر ڈرائیور کی طرف دیکھا جیسے کہہ رہی ہو کہ اب تو چلی جاتی ہوں ۔ آئندہ ایسی حرکت کی تو کبھی نہ ہٹوں گی ۔

اللہ اللہ کر کے سفر ختم ہوا۔ اس کے بعد ہم نے بس سے سفر کرنے سے توبہ کر لی ۔

میرا وطن پاکستان

توبیہ گُل، کراچی

میرا وطن پاکستان ایک ایسی جگہ ہے کہ جہاں ہم آزادی اور اطمینان سے رہ رہے ہیں ۔ اس ملک کو اللہ تعالیٰ نے کس قدر فیّاضی سے بنایا ہے اس کا اندازہ اس ملک کے مختلف حصّوں کو دیکھ کر ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس ملک کو حُسن اور رعنائی سے نوازا ہے۔یہاں کے پہاڑ سرسبز اور خوب صورت وادیوں سے ڈھکے ہوئے ہیں ۔پاکستان کی ایک قابلِ ذکر جگہ کا نام سوات ہے ۔ سوات ایک بہت ہی پُر فضا مقام ہے۔ ہم سوات کی سیر کے موقع پر یہاں کے ایک پارک "فضا گھٹ" گئے تھے ۔ یہ پارک دریائے سوات

کے کنارے واقع ہے۔ اس پارک میں دریائے سوات کی تیز لہریں جب جھاگ اُڑاتی ہوئی آگے کی طرف بڑھتی ہیں تو بہت اچھی معلوم ہوتی ہیں۔ سوات کے لہلہاتے کھیتوں میں تپتی ہوئی دھوپ میں لوگوں کو کام کرتے دیکھ کر ہمیں بڑی خوشی ہوئی کہ یہ لوگ کس قدر محنت سے غلّہ اُگانے میں مصروف ہیں۔ سوات کے علاوہ پاکستان میں اور بھی بہت سی اچھی جگہیں ہیں جنھیں دیکھ کر اندازہ ہوتا ہے کہ ہمارا ملک ایک حسین و جمیل باغ کی طرح ہے اور اس میں ہر طرف پھول ہی پھول ہیں۔

اس وطن کے بارے میں کسی شاعر نے کیا خوب کہا ہے کہ ؎

ہے جنّت کا گویا نظارا وطن
ہمارا وطن پیارا پیارا وطن

وی۔ سی۔ آر ایک لعنت

حنا سعید، کراچی

"ہائے، ہائے میری بچّی مر گئی۔ یہ کیا ہو گیا۔ ہائے۔ ہائے۔ میری بچّی، میری بچّی ....."

فرہاد یہ شور سُن کر رُک گیا۔ شور کی آواز ایک متوسط درجے کے مکان میں سے آ رہی تھی۔ اس کے قدم مکان کی طرف اُٹھ گئے۔

فرہاد ایک بارہ سالہ لڑکا تھا۔ وہ نہایت ذہین اور ہوشیار لڑکا تھا۔ اس کے ابّو ایک دفتر میں کلرک تھے۔ فرہاد آج کام کے سلسلے میں اپنے دوست کے گھر جا رہا تھا۔ جس گھر سے شور کی آواز سُنائی دے رہی تھی اس کا دوست اس گھر کے قریب ہی رہتا تھا۔

فرہاد کے دِل میں پتا نہیں کیا آیا کہ اس نے اس گھر کا دروازہ کھٹ کھٹایا۔ ایک عورت نے دروازہ کھولا۔ اس کی آنکھیں بھیگی ہوئی تھیں۔ اس نے روکھے لہجے میں پوچھا:

"کیا بات ہے؟ یہاں کیوں آئے ہو؟"

فرہاد نے سوچا ہو نہ ہو۔ یہی بچّی کی ماں ہے جب ہی تو اس کی آنکھیں بھیگی ہوئی ہیں۔ اس نے افسوناک لہجے میں کہا:

"مجھے بڑا افسوس ہے کہ ....." فرہاد ابھی اتنا ہی کہہ پایا تھا کہ عورت بول پڑی:

"کس بات کا افسوس ہے؟ کون ہو؟ تم کہاں سے آئے ہو منھ لٹکائے؟"

"جی میں اس گلی سے دو تین گلی چھوڑ کر رہتا ہوں۔ میں یہاں اپنے دوست سے ملنے آیا تھا کہ آپ کے گھر سے چلاّنے کی آواز سُن کر رہا نہ گیا۔ میرا دوست آپ کا پڑوسی ہے۔ اس ناتے میں آگیا۔ مجھے افسوس ہے کہ آپ کی بیٹی کا انتقال ہو گیا۔"

"اے۔ اے۔ یہ تم کیا بک رہے ہو؟ میری بیٹی ....." عورت زور سے چلاّئی۔

"جی ہاں۔ آپ کی بیٹی، اسی لیے تو آپ کا رو رو کر بُرا حال ہے۔ آنکھیں ابھی تک بھیگی ہوئی ہیں۔" فرہاد بولا۔

"اب چُپ بھی ہو جا۔ بکواس کیے جائے گا۔ وہ تو میں پیاز کاٹ رہی تھی، اس لیے آنکھیں بھیگ گئیں اور ۔۔۔ اور یہ تم نے کیا کہا کہ میری بیٹی مر گئی۔ اللہ نہ کرے۔" اتنا کہنے کے بعد عورت اندر منھ کر کے چلاّئی:

"ارے سنتے ہو ببّو کے ابّا۔ گڈّو، رانی، ببو، اِدھر آؤ جلدی سے۔"

بھاگتے ہوئے قدموں کی آوازیں سنائی دیں اور ایک آدمی، دو لڑکے جو فرہاد سے کم عمر تھے اور ایک لڑکی نظر آئی۔ عورت کا شوہر بولا:

"کیا ہوا بیگم؟ کیوں چلاّ رہی ہو؟"

"اسے دیکھتے ہیں آپ۔" عورت فرہاد کی طرف اشارہ کر کے بولی۔

"یہ کہہ رہا ہے کہ ہماری بیٹی مر گئی اور ہم رو رہے ہیں۔ سمجھ میں آیا یا پھر سمجھاؤں۔" عورت بولی۔

آدمی بولا، "ہاں ہاں آگیا۔ میں کوئی بہرا ہوں۔ پھر میں کیا کروں؟"

عورت بولی، "آپ اسے سمجھائیں، یہ میرے بس کی بات نہیں۔"

آدمی نے کہا، "اور میرے بس کی بھی نہیں۔"

ایک لڑکا آگے آتا ہوا بولا، "ابّو ہٹیے، آپ کو تو بات کرنی بھی نہیں آتی۔ میں کرتا ہوں۔"

"ہاں۔ ہاں۔ تو تم کہو۔ کیا بات ہے۔ کیوں دماغ چاٹ رکھا ہے۔"

فرہاد کو اس کی بات پر بہت غصہ آیا کہ اسے بڑوں سے بات کرنے کی تمیز نہیں۔ لیکن یہ سوچ کر کہ غصہ حرام ہے وہ ضبط کر گیا اور بولا:

"بات دراصل یہ ہے کہ آپ کے گھر سے چلاّنے کی آوازیں آرہی تھیں۔ کوئی کہہ رہا تھا: 'ہائے میری بچّی مر گئی۔' اس کی یہ بات سُن کر سب قہقہہ لگانے لگے۔ پھر وہی لڑکا بولا:

"ارے بھائی! ہم تو وی۔ سی۔ آر پر فلم دیکھ رہے تھے۔ یہ آگئے ہمدردی جتانے۔ ارے بھائی! یہ ہمدردی کا زمانہ نہیں وی۔ سی۔ آر کا زمانہ ہے۔ ساری فلم کا مزہ خراب کر دیا۔"

اس نے سوچا کہ وی۔ سی۔ آر کیا نام ہے۔ صرف تین لفظوں کا۔ لیکن تباہی مچاتے میں تین ہزار بھی نہ دیکھے۔ دھڑا دھڑ لوگوں کے دلوں میں جگہ بنا رہا ہے۔ نہ چھوٹا دیکھے نہ بڑا۔ رات کو لوگوں کی نیندیں الگ حرام۔ دشمنوں کا فائدہ الگ۔ بے ساختہ اس کے منھ سے یہ دُعا نکلی:

"اے اللہ! میرے اس ملک کو وی۔ سی۔ آر جیسی لعنت سے بچا۔"

قارئین کی عدالت

اتنے خوب صورت گنگناتے چمکتے دمکتے "خاص نمبر" کی تعریف کس طرح کروں سمجھ میں نہیں آرہا۔ سرورق تصور سے زیادہ حسین و جمیل تھا۔ آگے کھولا تو "جاگو جگاؤ" نے دل کو روشن کر دیا۔ کہانیوں کا کیا کہنا۔ نزہت رضوی، کراچی ــ خاص نمبر کو آنکھوں سے لگایا اور پھر دل سے، کیوں کہ یہ اسی قابل ہے۔

خاص نمبر کے لیے کہانیوں کا انتخاب لاجواب تھا۔ "رسّی کے دو کھیل" (یوسف ناظم) پھلجھڑیاں چھوڑتی ہوئی گزر گئی۔ محمد عمران تلہ گنگ "جنگلی حیوانات" جناب ڈاکٹر منظور احمد کا مضمون پڑھ کر معلومات میں اضافہ ہوا۔ جناب حکیم محمد سعید کا جاگو جگاؤ بہت خوب تھا۔ نظموں میں "برسات" (وحیدہ نسیم) بے حد پسند آئی۔ خرم عبدالمجید بٹ، کراچی ــ حکیم محمد سعید صاحب کے قلم سے گاما رستم زماں کا حال پڑھ کر بہت لطف آیا۔ محترم حکیم محمد صاحب کا طرزِ تحریر نہایت سادہ پیارا پیارا ہے۔ ارشد حسین گھانچی، کراچی ــ نونہال کی تصویروں کا معیار چند ماہ سے لاجواب ہو گیا ہے۔ کامران بٹ، ملتان کینٹ ــ نظموں میں "برسات" (وحیدہ نسیم) بہت پسند آئی۔ اخبار نونہال میں اس دفعہ بہت تھوڑی معلومات شائع کی گئیں جس کی وجہ سے اس میں وہ پرانی رنگ رنگینی قائم نہ رہ سکی۔ لطیفے بہت زیادہ رٹے پٹے تھے۔ البتہ نونہال ادیب کی کہانیاں و مضمون پورے رسالے کی جان محسوس ہوئے۔ شازیہ فرحین، کراچی۔

● آپ نے جس طرح سے مجھے خط لکھا اس خط کی چھپائی اور ڈاک خرچ تو ضرور ادارہ ہی برداشت کرتا ہوگا۔ اگر یہ بات ہے تو پھر ہم نونہالوں کو بھی چاہیے کہ ہم اچھی اچھی تحریریں بھیجیں۔ فہیم صادق آرائیں، منابڑو ــ خاص نمبر میں سب سے اچھا مضمون سیرت نبویؐ پر تھا اور گلی وَر کے سفرنامے بھی بہت اچھے لگے۔ ہم نے یہ ساری باتیں آپ کو دوست سمجھ کر بتائی ہیں۔ خاص نمبر اتنا اچھا پیش کرنے پر آپ سب کو ہم سب کی طرف سے مبارک باد۔ ویسے بھی غلطیاں تو ہوتی ہی رہتی ہیں۔ ناظمہ شمیم اختر، کراچی ــ

> ناظمہ بی بی! تمھارا خط بہت اچھا ہے۔ مبارک باد کا شکریہ تم نے جن غلطیوں کی نشان دہی کی ہے، اس سے خوشی ہوئی کہ تم اتنی دل چسپی سے رسالہ پڑھتی ہو۔ یقین ہے کہ تمھاری دل چسپی باقی رہے گی۔

جناب حکیم محمد سعید صاحب کا اندازِ تحریر بہت اچھا ہے بالکل ایسا لگتا ہے جیسے وہ ہمارے سامنے بیٹھ کر گفت گو کر رہے ہو۔ یہ خوبی جناب مسعود احمد برکاتی صاحب میں بھی کم نہیں۔ جناب مسعود احمد برکاتی صاحب بھی اپنے کالم پہلی بات میں بچوں سے اس انداز سے مخاطب ہوتے ہیں جیسے ہم اُن کے سامنے بیٹھے ہوں۔ نونہال میں مجھے خیال کے پھول اور تحفے بہت پسند ہیں۔ صائب کلیم، شہداد پور ــ ٹیلے وژن پر نونہال ٹوتھ پیسٹ کا اشتہار دیکھا۔ یہ اشتہار بہت دل چسپ ہے اور منفرد انداز سے بنایا گیا ہے۔ شگفتہ پروین، کراچی ــ خاص نمبر کی اعلا کارکردگی کی مثال ہی نہیں ہے۔ اگست کا رسالہ بھی بہترین ہے۔ محمد نور الحق توگیروی، حضور پور ــ لاہور کے تجمل الیاس اپنی کہانی "افتتاح" بچوں کے نوائے وقت میں چھپوا چکے ہیں۔ اس سے پہلے بھی وہ اپنی کہانی "چپ کا روزہ"، بچوں کے نوائے وقت اور ماہ نامہ آنکھ مچولی میں چھپوا چکے ہیں اور آپ نے بھی نونہال میں چھاپ دی۔ وسیم عباس، سیال کوٹ کینٹ ــ ٹائیٹل خوب صورت نہ تھا۔ یہ کام مشیر صدیقی صاحب کو سونپ دیں۔ مشیر صدیقی صاحب

کے بنائے ہوئے ٹائٹیل خوب صورت ہوتے ہیں۔ نونہال میں ہر طرح کے سلسلے ہیں اگر کمی ہے تو صرف انعامی سلسلے کی۔ اگر آپ معلوماتِ عامہ کے درست حل بھیجنے والے کو کوئی کتاب بہ طور انعام دے دیا کریں تو یہ کمی بھی پوری ہو جائے گی۔۔۔ حامد علی شاہد، لاڑہ۔۔۔ نونہال دن بہ دن ترقی کر رہا ہے۔ نونہال کی ہر کہانی ہر نظم ہر معلومات بہت اچھی ہوتی ہے۔ شگفتہ جعفری، حیدر آباد۔۔۔ قربانی اور دو خواہشیں پسند آئیں۔ خالدہ پروین سومرو، گولیمار نواب شاہ۔۔۔ جب سے میں نے پڑھنا سیکھا ہے ہمدرد نونہال کا مستقل قاری ہوں۔ عمران علی۔۔۔ تحفے میں تمام تحریریں پسند آئیں۔ ہلے اور مارے گئے کہانی بالکل پسند نہیں آئی۔ بجمل الیاس کی کہانی "افتتاح" نے بہت متاثر کیا۔ قدسیہ یاسمین، بھکر۔۔۔ مقبول احمد قریشی صاحب کے مفید گھریلو چٹکلے بہت پسند آئے۔ سید محمد محسن علی، حیدر آباد نونہال اب تو اور زیادہ منفرد اور پیارا ہو گیا ہے۔ نور جہاں احمد، شہداد پور۔۔۔ اگست کا شمارہ بہت اچھا تھا۔ نور احمد سمون، ٹنڈو محمد خاں۔۔۔ مجیب ظفر انوار صاحب کی کہانی "بڑی بات" بے مثال تھی۔ منور الزماں شمسی، کراچی۔۔۔ مجھے نونہال کے تین سلسلے "معلومات عامہ، اس شمارے کے مشکل الفاظ اور قارئین کی عدالت" بہت پسند ہیں۔ دفاجان، گجرات۔۔۔ ہر دفعہ کی طرح رسالہ معیاری اور بہترین تھا۔ سرورق بھی اچھا تھا۔ خیال کے پھول، جاگو جگاؤ اور تحفے حسبِ معمول بہت اچھے تھے۔ کہانیوں میں پرانا پنکھا، یہ گُل خیال کے ہیں اور افتتاح بہت پسند آئیں۔ فوزیہ نورین، گجرات۔۔۔ نونہال علم کا خزانہ ہے جو ہر ماہ نونہالوں کو علم کی روشنی سے سیراب کرتا ہے۔ فوزیہ تحسین، کراچی۔۔۔ سرورق پر اتنی پیاری معصوم سی بچّی کی تصویر چھاپ کر آپ نے میری دلی خواہش پوری کر دی۔ نشاط ظفر، کراچی۔۔۔ ٹائیٹل بہت خوب صورت تھا۔ لطائف بھی مزے دار تھے۔ حکیم محمد سعید صاحب کا جاگو جگاؤ پڑھ کر دل کو فرحت محسوس ہوئی۔ اشفاق نسیم، ریاض نسیم، میاں چنوں۔۔۔ لطیفے زیادہ اچھے نہیں تھے اور جن بھاگ گیا بور تھی۔ نصیر احمد، کراچی۔۔۔ خیال کے پھول، جاگو جگاؤ اور لطیفے بہت پسند آئے۔ رفیق احمد قائم خانی، سامارو شہر۔۔۔ اگست کا نونہال بھی خاص نمبر ہی محسوس ہوا۔ حبیب الرحمٰن، ٹنڈو جام کالونی۔۔۔ نونہال روز بروز کم زور ہوتا جا رہا ہے۔ بہت دُبلا ہو رہا ہے بے چارہ۔ آخر آپ اس کی کھلائی پلائی پر توجہ کیوں نہیں کرتے۔ ہم چاہتے ہیں کہ نونہال ہمیں ہر ماہ "خاص نمبر" کی طرح موٹا تازہ ملے۔ طلعت بشیر نہال صدیقی، حیدر آباد۔۔۔ گدھے کے کان (فاطمہ مسعود) ایک بہت ہی پرانے رسالے میں سے نقل کی گئی ہے۔ فرحین عثمانی، لطیف آباد۔۔۔ میں ہمدرد نونہال ۶ سال سے پڑھتا آ رہا ہوں اس میں وہ تمام باتیں ہوتی ہیں جو ایک اچھے رسالے میں ہونی چاہییں۔ جناب حکیم محمد سعید کا جاگو جگاؤ اور جناب مسعود احمد برکاتی کی پہلی بات جو ہمدرد نونہال کے مستقل سلسلے ہیں ان میں ہر انسان کی بہتری کے لیے بہت سی باتیں بتائی جاتی ہیں۔ کہانیاں بھی سب ہی اچھی ہوتی ہیں اور لطیفے زیادہ تر نئے پڑھنے میں آتے ہیں۔ سید محمد عمران رضا، کراچی۔۔۔ ہر کہانی لاجواب تھی۔ ہر نظم بہترین تھی۔ بڑی بات (مجیب ظفر انوار) نے تو کمال کر دیا۔ محمد اکرام عمیر عابد، کراچی۔۔۔ گل و گلزار بنا جھلملاتا سرورق اپنی آب و تاب کے ساتھ اگست میں بہار بن کر نمودار ہوا۔ جاگو جگاؤ اور خیال کے پھول میرے لیے کار مینا کی حیثیت رکھتے ہیں۔ ان کے بغیر تو رسالہ ہضم ہی نہیں ہوتا۔ پہلی بات حسبِ معمول دل چسپ رہی۔ طب کی روشنی میں اور فٹ بال سے استفادہ کیا۔ قربانی پر مضمون بہت پسند آیا۔ یہ گل خیال کے ہیں نے دل پر گہرا اثر چھوڑا۔ میاں مظہر اقبال آرائیں، ملتان۔۔۔ اگست کا نونہال بے حد مزے دار تھا۔ کہانیوں میں بڑی بات اور دو خواہشیں بہت پسند آئیں۔ انجم احمد، کراچی۔۔۔ نونہال ادیب میں تمام کہانیاں اور نظمیں بہت اچھی تھیں۔ ماہ رخ حبیب، شاہ رُخ حبیب، عظمیٰ سلطانہ۔۔۔ "افتتاح" (بجمل الیاس) بہت اچھی کہانی تھی۔ الطاف احمد قریشی، دادو۔۔۔ ٹائیٹل بے حد دل آویز

تھا۔ کہانیوں میں اور جن بھاگ گیا (محمد شفیع الدین نیّر) "دو خواہشیں" (زاہدہ پروین) "گدھے کے کان" (فاطمہ مسعود) "پرانا پنکھا (میرزا ادیب) اور "نیکی کا بدلا" (صلاح الدین) اچھی تھیں۔ شہزاد کامران ــــ ہمیں تو ہمیں ہمارے والد محترم کو بھی اگست کا شمارہ بہت پسند آیا۔ شکیل خان اور ہماخان، میرپور خاص ــــ نونہال سے ہماری معلومات میں اضافہ ہوتا ہے۔ مونا انور، کراچی ــــ جاگو جگاؤ، خیال کے پھول، طب کی روشنی اور ہمدرد انسائکلوپیڈیا ہمیشہ کی طرح تازہ تھے۔

غلام مہدی ولد اسماعیل کوردی، بلتستان ــــ سرورق پر بے حد خوب صورت بچّی کی تصویر دیکھ کر بے اختیار پیار آ گیا۔ ریحانہ رجب علی، کراچی ــــ ہمیں پورے رسالے میں جو چیز سب سے زیادہ متاثر کرتی ہے وہ محترم حکیم محمد سعید کا جاگو جگاؤ اور آپ کی تحریریں ہیں۔ جو وقتاً فوقتاً ہمارے خوابیدہ ذہن کو جلا بخشتی ہیں۔ شمع پروین، انجم بخاری، سہیل شاہ بخاری، ندیم اقبال، نواب شاہ ــــ معلوماتِ عامہ بہت پسند آئی۔ خالد محمود کھوکھر، میرپور آزاد کشمیر ــــ مضمون دھرتی پاکستان کی (سائرہ نواب کراچی) بہت پسند آیا۔ صائمہ کرن، گوجرانوالہ ــــ جاگو جگاؤ، خیال کے [illegible] بہت پسند آئے۔ کہانیوں میں گدھے کے کان بہت پسند آئی۔ لطیفے بھی بہت اچھے تھے۔ رحمان احمد صدیقی، کراچی ــــ تمام کہانیاں اچھی تھیں۔ حافظ راشد منہاس، کراچی ــــ تمام کہانیاں معیاری اور اچھی تھیں۔ کسی ایک کہانی کی تعریف کرنا زیادتی ہو گی۔ انیلا چوہدری، فرخ چوہدری، میرپور خاص ــــ ٹائیٹل دل کش ہے۔ مونا نازش، لاہور ــــ تمام کہانیاں بہترین تھیں۔ حافظ راشد منہاس، کراچی ــــ باوجود کوشش کے ہمیں اس رسالے میں کوئی کمی نظر نہ آئی۔ ساجدہ سرور اور محمد جمیل، پھر باڑی ــــ انکل! یہ خط میں بہت غصّے میں لکھ رہا ہوں۔ میں نے کئی خط لکھے مگر کوئی خط بھی شامل نہیں کیا گیا۔ کیا آپ صرف جان پہچان والوں کے خط شامل کرتے ہیں؟ ناصر علی کشمیری، کراچی ــــ پچھلے شماروں کی تمام خامیاں اس شمارے میں پوری کر دی گئی تھیں۔

محمد عمران سعید، کراچی ــــ آپ صرف کراچی والوں کی تحریریں شائع کرتے ہیں۔ ہمارا بھی خیال رکھا کریں۔ ثناء اللہ، سلوئی ــ اس رسالے میں سارے مضمون اچھے تھے۔ فیصل احمد عباسی، جھنگ صدر ــــ اگست کا شمارہ بہت پسند آیا۔ ارم سعید، راولپنڈی ــــ رسالے کا سرورق عمدہ تھا۔ کہانیوں میں "یہ گل خیال کے ہیں" اور "جن بھاگ گیا" اور نایاب خزانہ بہت اچھی تھیں۔ لطیفے اور نظمیں کچھ خاص نہ تھیں۔ سید نفیس الحسن نقوی، جھنگ صدر ــــ پہلی کہانی سے آخر تک پڑھ کر دم لیا۔ اپنی ننھی منّی تحریر دیکھ کر بڑی خوشی ہوئی۔ شہلا میر، جہلم ــــ کہانیوں میں پرانا پنکھا اور نایاب خزانہ پسند آئیں۔ فوزیہ برلاس، ڈیرہ اسماعیل خاں ــــ نونہال بہت ہی پسند آیا۔ ثمینہ اسماعیل، جمیلہ اسماعیل، بیما اسماعیل اور شہزاد اسماعیل، کراچی ــــ پرانا پنکھا، نیکی کا بدلا اور بڑی بات اچھی کہانیاں تھیں۔ ندیم احمد خانزادہ، سکرنڈ ــــ نونہال پیاری پیاری دل چسپ کہانیوں، چٹ پٹے لطائف اور دیگر دل فریب تحریروں کا مرقع تھا۔ البتہ سرورق کی کہانی کی شدّت سے کمی محسوس ہوئی۔ عظمیٰ ناہید، جہلم ــــ لطیفے تھوڑے تھے۔ وہ مزہ نہیں تھا جو خاص نمبر میں تھا۔ سید امتیاز علی، حیدر آباد ــــ جب سے پیدا ہوا ہوں نونہال گھر میں آرہا ہے۔ سید معظم خاں لودھی، کراچی ــــ جاگو جگاؤ پڑھ کر ہمیں بھی یہ احساس ہوا کہ واقعی ہمیں قناعت سے کام لینا چاہیے اور لالچ نہیں کرنا چاہیے۔ الماس محبوب، نارتھ کراچی ــــ فٹ بال کے متعلق معلومات بے حد پسند آئی۔ حافظ خضر حیات فروکہ، سرگودھا ــــ نظم برسات بہت پسند آئی۔ محمد خاں سرحدی، کراچی ــــ زاہدہ پروین کی کہانی دو خواہشیں بہت پسند آئیں۔ سید زوار حسین، ٹنڈو محمد خاں ــــ خوب صورت سرورق، عمدہ تحریروں، معلوماتی مضامین اور پُر لطف کارٹون اور دل کش و رنگین تصاویر سے مزیّن اگست کے نونہال پر آپ کی محنت و توجہ کی داد نہ دینا یقیناً اخلاقی بخیلی ہو گی۔ نور فاطمہ مشیر رضوی، لطیف آباد ــــ پہلی بات پڑھ کر آپ کی محنت کا اندازہ ہوا۔ اگست کا شمارہ

بہت خوب صورت تھا۔ تمام کہانیاں اور مضامین بہت پسند آئے۔ اسد رحمان، ساہی وال ــــ اگست کا شمارہ جولائی ہی میں شائع ہو گیا۔ ارشد جمیل صدیقی، لطیف آباد ــــ نونہال سے بچّوں کی قابلیت میں اضافہ ہوتا ہے اور پڑھائی میں بھی مدد ملتی ہے۔ خاص طور پر مشکل الفاظ سے۔ سید محمد علی رضوی، لطیف آباد پرانا پنکھا اور جن بھاگ گیا پسند آئی۔ باقی رسالہ اتنا خاص نہ تھا۔ عمران نوشیر، جڑانوالہ ــــ اگست کے نونہال میں کہانیاں بہت اچھی تھیں۔ خاص طور پر "اور جن بھاگ گیا" اور "نیکی کا بدلا"۔ بہت اچھی تھیں۔ نور الاسلام سحر، جیوانی مکران ــــ اگر آپ نے یہ خط شائع نہیں کیا تو میں کبھی خط نہیں لکھوں گی۔ صادقہ حسین، کراچی ــــ یہ رسالہ بچّوں کو ہی نہیں بلکہ بڑوں کو بھی تفریح مہیّا کرتا ہے۔ بہ خدا یہ جھوٹی تعریف نہیں بلکہ حقیقت ہے۔ عبد الواحد عثمان، کراچی ــــ اگست کا شمارہ ہر لحاظ سے مکمل تھا۔ موہک کے بارے میں پہلی بار پڑھا۔ محمد انور خانزادہ، حیدر آباد ــــ حکیم محمد ابراہیم شاہ کا مضمون قربانی بہت پسند آیا۔ جناب مرزا ادیب کی کہانی (پرانا پنکھا) قابل تعریف تھی۔ نظم پارہ نظمی کی تحریر یہ گل خیال کے ہیں بہت پسند آئی۔ مختیار احمد انجم پروانہ، رحیم یار خان ــــ پرانا پنکھا، اور جن بھاگ گیا، نایاب خزانہ، دو خواہشیں اور نیکی کا بدلا جیسی بہترین کہانیاں تخلیق کرنے پر ہماری طرف سے ان کے مصنفین کو بہت بہت مبارک باد۔ رحمت اللہ اور رئیس عبد الغنی، چوک ظاہر پیر ــــ کہانیوں میں "اور جن بھاگ گیا" اور "نیکی کا بدلا" فرسٹ آئیں۔ ریحانہ حفیظ، مٹیاری ــــ طب کی روشنی میں اور ہمدرد انسائکلو پیڈیا بہت اچھے سلسلے ہیں۔ نظیر سند می، کند کوٹ ــــ لطیفے بہت مزے دار تھے۔ شمائلہ ناز، کراچی ــــ نونہال ادیب نے کمال ہی کر دیا۔ علی محمد عابد، چکڑالہ ــــ میرا محبوب اور حسین و جمیل ہمدرد نونہال ہر ماہ ادبی، سائنسی، سبق آموز، دل چسپ، کہانیاں اور مضامین، عجیب و غریب معلومات، کارٹون، رنگ برنگی پھلجھڑیاں اور دوسری بہت سی چیزیں اپنی گود میں سمیٹے رونق افروز ہو کر جب ہم تک پہنچتا ہے تو ہماری خوشی کا کوئی ٹھکانہ نہیں رہتا۔ محمد اکرم سیالوی اور غلام سرور سیالوی، چاہ سیالاں ــــ سرورق تو اتنا پسند آیا کہ بیان سے باہر ہے۔ دل چاہا کہ ابھی اور اسی وقت سرورق کو فریم کروا کر دیوار پر آویزاں کر دوں اور ہر وقت اسے دیکھتی رہوں۔ نجیبہ خانم، بہاول پور ــــ سرورق پر ایک پیاری سی بچّی کی تصویر بھلی لگی لیکن کیا ہی اچھا ہوتا کہ اگر آپ ۱۴۔ اگست کی مناسبت سے سرورق بنواتے۔ اس دفعہ کہانیاں بھی دل چسپ تھیں۔ پُرانا پنکھا (میرزا ادیب) اور یہ گُل خیال کے ہیں (نظم پارہ نظمی) بہت پسند آئیں۔ "نونہال ادیب" میں شامل مضامین اور نظمیں بھی بہت اچھی تھیں۔ سید مہدی علی، شہداد پور ــــ جو تحریر سب سے زیادہ پسند آئیں وہ محترمہ نظم پارہ نظمی صاحبہ کی تھی۔ یہ بلاشبہ ایک بہترین اور پُر اثر تحریر تھی۔ کامران بلوچ صنم، اوکاڑہ ــــ خیال کے پھول خوش بُو کی طرح ہمارے دلوں میں بس گئے۔ نونہال ادیب کی تمام کہانیاں اور نظمیں اپنی مثال آپ تھیں۔ انیلا یوسف بھٹی، کراچی ــــ میں آپ کا رسالہ ہر ماہ باقاعدگی سے لے کر پڑھتا ہوں اور مجھے ہمدرد نونہال اتنا پسند ہے اتنا پسند ہے کہ میرے پاس تعریف کے لیے الفاظ نہیں ہیں۔ سہیل احمد عزمی، راول پنڈی ــــ جنگلی حیوانات کے سلسلے کا مضمون "یک خلوی حیوانات اور بیماریاں" (ڈاکٹر منظور احمد) بہت پسند آیا۔ تمام نظمیں اچھی تھیں۔ زائرہ رضوی، فقیہہ رضوی، لاہور ــــ پرانا پنکھا (میرزا ادیب) قربانی (حکیم محمد ابراہیم شاہ) اور جن بھاگ گیا (محمد شفیع الدین نیّر) بہت پسند آئیں۔ آصف قاضی، خضدار ــــ حکیم محمد سعید صاحب اور انکل مسعود احمد برکاتی کو اس خوب صورت سے خاص نمبر پیش کرنے پر خراجِ تحسین پیش کرتا ہوں۔ خلیل احمد ہوت، کراچی ــــ آپ نونہال بناتے وقت کسی جادوگر سے مدد لیتے ہیں جو اتنا اچھا ہوتا ہے۔ حیات اللہ حیات، کے۔ ایس۔ بی ــــ نونہال بہت ہی اچھا رسالہ ہے اس میں بچّوں کو بہت اچھی باتیں کہانیوں کے ذریعے سے بتائی جاتی ہیں۔ میں نے بہت سی کہانیاں پڑھیں اور اُن پر عمل بھی کیا۔ طیبہ جیلانی، کراچی ــــ

اس دفعہ کچھ لطیفے اچھے تھے اور کچھ نہیں۔ ہارون محمود پاٹوی، حیدرآباد ــــ سرورق بھلا تھا۔ جاگو جگاؤ پسند آیا۔ آمنہ عطا قائم خانی، کنور شاہد قائم خانی، نواب شاہ ــــ لطیفے اور نونہال ادیب حسبِ معمول اچھے تھے۔ کہانیوں میں "نایاب خزانہ" اور "جن بھاگ گیا" بہت اچھی تھیں۔ جاگو جگاؤ نے بہت متاثر کیا۔ سعد قاضی، ملیر کراچی ــــ نایاب خزانہ بہت پسند آئی۔ الطاف احمد، شکارپور ــــ صلاح الدین عباسی کی کہانی "نیکی کا بدلا" بہت اچھی تھی۔ نونہال ادیب کی سب کہانیاں اچھی تھیں۔ وقاص عزیز شیخ، فیصل آباد ــــ سرورق کچھ زیادہ خاص نہ تھا۔ سبین اطہر، کراچی ــــ نونہال ادیب میں بیٹے کی قربانی خوب تھی۔ عمادالدین، ذکاءالدین قمر، رسال پور ــــ فٹ بال کے بارے میں معلومات بہت پسند آئی۔ یاسر فیروز خاں، کراچی ــــ خاص نمبر میں آٹوگراف میں حکیم محمد سعید صاحب اور آپ کے آٹوگراف ہونا ضروری ہیں۔ ضمیرالحسن، نوروز شکیل اور نجم الحسن، اٹک ــــ علامہ دانش کے سفرنامے، نایاب خزانہ بہت پسند آیا۔ محمد شفیق ساجد، عیسیٰ خیل ــــ میں نہ مکھن لگا رہی ہوں اور نہ جھوٹے دل سے کہہ رہی ہوں۔ واقعی نونہال بہت اچھا رسالہ ہے۔ سنبل مہرین عثمانی، کراچی ــــ علامہ دانش کے سفرناموں نے نونہال کو چار چاند لگا دیے ہیں۔ پرنس روی شنکر اکرانی، سامارو۔ اگست کا شمارہ ملتے ہی چاٹنا شروع کر دیا۔ فاروق احمد انصاری، کراچی ــــ اپنے نام کے ساتھ حیدرآباد پڑھ کر بہت دکھ ہوا۔ جگہ کا نام ہوسڑی ہے۔ حیدرآباد ہمارا ضلع ہے۔ محمد صابر محمود، ہوسڑی ــــ مجھے اگست کا شمارہ بہت پسند آیا۔ محمد اعجاز الحق اعوان، ماتلی ــــ کہانیوں میں "اور جن بھاگ گیا"، "پرانا پنکھا" یہ گل خیال کے ہیں بہت پسند آئیں۔ ندیم احمد، ٹنڈو الہ یار ــــ پرانا پنکھا، نیکی کا بدلا، گدھے کے کان، اور جن بھاگ گیا، ہلے اور مارے گئے بہت اچھی کہانیاں تھیں۔ طفیل احمد جلبانی، جلبانی شہر ــــ "دو خواہشیں" اور "جن بھاگ گیا"، "گدھے کے کان" پڑھ کر ایسا محسوس ہوا جیسے دنیا کی ساری خوشیاں میرے قدموں میں ہوں۔ ممتاز احمد قریشی، مکلی ٹھٹھہ ــــ کہانیوں میں اس دفعہ نیکی کا بدلا سبقت لے گئی۔ سمیع اللہ شریف، سلیم اللہ شریف، منڈی بہاءالدین ــــ کہانیوں میں بڑی بات، گدھے کے کان اور نونہال ادیب میں حبیب رحمانی کی کہانی "مٹھائی کا ڈبا" بہت پسند آئی۔ لئیق حسن رحمانی اور عتیق حسن رحمانی، کراچی ــــ لطیفوں کے علاوہ سب ٹھیک ٹھاک تھا۔ احسن علی نیلو، کراچی ــــ اگست کا شمارہ لاتے ہی ہضم کر ڈالا۔ تمام کہانیاں پسند آئیں۔ عاصم، آصف، عظمیٰ، ہما اور ثروت، کراچی ــــ ساری ہی تحریریں معیاری اور دل لبھا دینے والی تھیں۔ ابن مفرّح دل، مردان ــــ جناب میرزا ادیب کی کہانی پرانا پنکھا پسند آئی۔ ثناءاللہ، ابرار حسین شاہ سلوی۔ علامہ دانش کے سفرنامے پڑھ کر بے حد مایوسی ہوئی۔ احسان الٰہی خان، کراچی ــــ سرورق بہت خوب صورت تھا۔ فیروز شاکر، کراچی ــــ میں نونہال بڑے شوق سے پڑھتا ہوں۔ شہزاد سلیم، کراچی ــــ نونہال مصور بہت اچھا لگا۔ زینت عباسی، کراچی ــــ لطائف بہت پسند آئے۔ تقریباً سب ہی نے بہت ہنسایا۔ وحیدہ نسیم کی نظم "برسات" بہت پسند آئی۔ دو خواہشیں، پرانا پنکھا اور نایاب خزانہ بہت پسند آئیں۔ تحفے بھی بہت اچھے تھے۔ منزہ فرید، بھکر ــــ سرورق بہت خوب صورت اور جاذبِ نظر تھا۔ جاگو جگاؤ اور خیال کے پھول ہمیشہ کی طرح تازہ تھے۔ حسن مہدی خراسانی، کراچی ــــ کہانیاں تو ساری ہی اچھی تھیں۔ محمد ابراہیم، کورنگی ــــ آپ کہانیاں لطیفے اور مضمون شائع نہ کیا کریں۔ لیکن قارئین کے خطوط ضرور شائع کر دیا کریں۔ مبشر علی زیدی، کراچی ــــ

جب سے انسان نے ہوش سنبھالا ہے بچے اس وقت سے کہانیاں سنتے آئے ہیں، اس لیے کہانیوں کی اشاعت بند نہیں کی جا سکتی۔

اس دفعہ کا نونہال نہایت عمدہ تھا۔ محمد حارث ہاشم بھا مشورو۔ کہانیاں اور لطائف مزے دار تھے۔ نعیم احمد قریشی، بھریا شہر ــــ لطیفے اور کارٹون بہت پسند آئے۔ مریم غفران، کراچی ــــ

حکیم محمد ابراہیم شاہ کا مضمون "قربانی" اور سائرہ نواب کی کہانی دھرتی پاکستان بہت اچھے تھے۔ لیاقت علی، ہیرآباد۔ لطیفے بڑے مزے دار تھے۔ فرافشاں، راشد قریشی، لانڈھی ـــ اگست کا جگمگاتا رسالہ پڑھ کر دل ہر ماہ کی طرح بہت خوش ہوا۔ محمود محمد اشرف، کراچی ـــ یہ گل خیال کے ہیں (نظم پارہ نظمی) تحفے، افتتاح اور ہمدرد انسائکلو پیڈیا بہت پسند آئے۔ عافیہ منظر، کراچی ـــ اگست کا رسالہ اتنا پسند آیا کہ ایک ہی دن میں ختم کر دیا۔ منزہ آصف، بہاول پور ـــ خاص نمبر اس دفعہ واقعی خاص نمبر تھا۔ سیدہ شبانہ پروین، ملتان ـــ خاص نمبر بہت اچھا تھا۔ ناہید ذاکر، کراچی ـــ خاص نمبر بہت پسند آیا۔ شازیہ عنایت، کراچی ـــ چمکتا دمکتا خاص نمبر اپنی امیدوں سے بڑھ کر پایا۔ محمد قدیم بیگ مغل، ٹنڈو جام ـــ خاص نمبر میں ہمیں احمد خاں خلیل کی کہانی گلی ور کے تین حیرت انگیز سفر" بہت اچھی لگی۔ امداد علی کلواڑ، خضدار ـــ خاص نمبر پڑھ کر دوسرے رسالوں کو بھول گیا۔ زاہد الرحمان، پشاور ـــ میں نے پہلی بار خاص نمبر خریدا نہایت پسند آیا۔ مجھے اور میرے گھر والوں کو بہت پسند آیا۔ پروین اختر، کراچی ـــ خاص نمبر پڑھ کر مزہ آگیا۔ ظفر عباس، کراچی ـــ خاص شمارے میں جاگو جگاؤ میں انکل سعید کی باتیں پہلے کی طرح متاثر کن تھیں۔ انکل مسعود کی پہلی بات میں سب کی محنتوں کا اندازہ ہو گیا ہے۔ محمود حسین، مقبول حسین، محبوب حسین، ارغوان، عابدہ، ساجدہ، زاہدہ ـــ خاص نمبر میں گلی ور کے تین حیرت انگیز سفر، سفید شیر کا بھوت، سائنسی مشغلے اور سرورق بہت زبردست تھے۔ انیس الرحمان، کراچی ـــ خاص نمبر کی سب کہانیاں اچھی تھیں۔ شیخ محمد اسلم، فیصل آباد۔ خاص نمبر فسٹ کلاس تھا۔ خاص کر گلی ور کی ان دیکھی دنیا کی سیر پسند آئی۔ حارث لطیف، ساہیوال ـــ اس دفعہ خاص نمبر بہت شان دار تھا۔ شگفتہ انجم، کراچی ـــ خاص نمبر خوب تھا۔ مزہ آیا۔ دس رُپوں میں ایک جہان تھا جو آپ نے دکھا دیا۔ جاوید اقبال، لاہور ـــ خاص نمبر کے لطیفے بہت پسند آئے۔ محمد فاروق اکبر، کراچی ـــ خاص نمبر میں جناب حکیم محمد سعید صاحب کا جاگو جگاؤ سبق آموز تھا۔ آزادی کے حوالے سے تحریروں میں یہ گل خیال کے ہیں، دھرتی پاکستان کی، اور نونہال ادیب میں آزادی بہترین تحریریں تھیں۔ دیگر موضوعات پر لکھی گئی تحریروں میں دو خواہشیں، اور جن بھاگ گیا، نیکی کا بدلا، پرانا پنکھا، سبق آموز اور دل چسپ کہانیاں تھیں۔ مضامین میں فٹ بال، قربانی اور جنگلی حیوانات عمدہ مضمون تھے۔ گویا کہ اس بار کا رسالہ ایک بار پھر بہترین شمارہ ثابت ہوا ہے۔ پرنس وسیم بن اشرف، میاں چنوں ـــ جولائی کا خاص نمبر بہت ہی اچھا تھا۔ خاص طور پر بیچارا حسن، چاندی کے پاؤں، سلوک، انگوٹھی کا جن اور کروک مل کے کارنامے۔ جواد اصغر علی، کراچی ـــ خاص نمبر میں خیال کے پھول تو بے حد پسند آئے۔ سرکار دو عالم ﷺ کی سیرت پاک بہت مکمل اور معلوماتی تھی۔ محمد طاہر شہاب، شجاع آباد۔ خاص نمبر اتنا بہترین تھا کہ میں زیادہ تعریف کر ہی نہیں سکتا۔ آصف منصور، ڈیرہ اسماعیل خاں ـــ سیرت پاک ﷺ کے ذریعے سے مجھے حضور ﷺ کی سیرت پاک ﷺ کی وہ خصوصیات معلوم ہوئیں جو پہلے معلوم نہ تھیں۔ ثمینہ سعدیہ، کراچی ـــ خاص نمبر اس قدر پسند آیا کہ پڑھ کر دل باغ باغ ہو گیا۔ کہانیاں سب ہی اچھی تھیں۔ لیکن علامہ دانش کے سفرنامے کے سلسلے کی کہانی سفید شیر کا بھوت (جناب معراج) اور گلی ور کے تین حیرت انگیز سفر بہت پسند آئیں۔ نورین امیر، کراچی ـــ اس میں سب کچھ بہت مزے دار تھا۔ کہانیوں میں "اور جن بھاگ گیا، گدھے کے کان اور نایاب خزانہ" بہت پسند آئیں۔ قائد اعظم (نظم) بہت اچھی تھی۔ اشفاق احمد راں، بھکر ـــ نونہال کا خاص نمبر پسند آیا۔ توقیر رضوان، کراچی ـــ اس دفعہ کے خاص نمبر کی اصل جان گلی ور کے تین حیرت انگیز سفر تھی۔ فرخ ابراہیم ـــ خاص نمبر پڑھا بہت پسند آیا۔ روبوٹ کی کہانی بہت دل چسپ تھی۔ شاہد شفیق، جھڈو ـــ نونہال کا سب سے اچھا سلسلہ علامہ دانش کے سفرنامے ہے۔ انیقہ مسرور، کراچی۔ اس دفعہ کا خاص نمبر بہت پسند آیا۔ خاص طور پر رولی پولی کی واپسی۔ سائرہ سعید، کراچی ـــ خاص نمبر میں خاص سرورق کی کہانی بہت مزے دار تھی۔ اللہ ڈنو، پڈعیدن ـــ جولائی کا خاص نمبر پسند آیا۔ دلشاد بلوچ، دادو۔

سراب

ایک آدمی تپتے ہوئے ریگستان میں مارا مارا پھر رہا تھا۔ پیاس کی شدّت سے اس کے حلق میں کانٹے پڑ رہے تھے لیکن پانی کا دُور دُور تک کوئی نام و نشان نہیں تھا۔ اُسے موت نظروں کے سامنے نظر آ رہی تھی۔ اچانک اسے ایک جھیل دِکھائی دی۔ اس نے اپنی بچی کھچی طاقت جمع کر کے پانی کی طرف دوڑ لگا دی مگر اسے کچھ نہیں ملا۔ وہ تو ایک سراب تھا، یعنی نظر کا دھوکا تھا۔

یہ سراب کس طرح نظر آتے ہیں؟ یہ دراصل مختلف قسم کے موسمی حالات کی وجہ سے دکھائی دیتے ہیں۔ آپ اپنے کیمرے سے ان کی تصویر بھی کھینچ سکتے ہیں۔ پانی کے تالاب اور جھیلیں جن کا حقیقت میں کوئی وجود نہیں ہوتا نہ صرف ریگستانوں میں دیکھی جا سکتی ہیں بلکہ گرم خطّوں میں اور سڑکوں پر بھی نظر آ جاتی ہیں۔ آپ میں سے بہت سے لوگوں نے بڑی سڑکوں (ہائی وے) پر یہ سراب دیکھے ہوں گے۔ دُور سے یہ بالکل جوہڑ اور چھوٹے تالاب دکھائی دیتے ہیں جہاں سے آپ اپنی گاڑی بہت آہستہ سے گزارتے ہیں، مگر قریب پہنچنے پر کچھ نہیں ہوتا۔

سراب اکثر اصل چیزوں کا عکس ہوتے ہیں۔ نیلا آسمان زمین پر پانی کی طرح نظر آتا ہے۔ سمندر میں آپ کو اس قسم کا سراب نظر آئے گا کہ ایک بحری جہاز ہوا میں تیر رہا ہے یا کوئی بہت دُور کی کشتی بالکل قریب نظر آتی ہے۔ آپ کو پورے شہر کا عکس آسمان پر دکھائی دے سکتا ہے اور دریا بادلوں میں بہتا نظر آ سکتا ہے۔

یہ تمام نظر کے دھوکے ہیں، سراب ہیں۔ یہ اصل میں روشنی کی کرنوں کی وجہ سے نظر آتے ہیں۔ سورج کی کرنیں جب ٹھنڈی اور گرم ہواؤں میں گزرتی ہیں تو وہ کہیں ناچتی ہیں اور کہیں مُڑ جاتی ہیں۔ جب روشنی کی کرنیں دریاؤں اور عمارتوں سے ٹکرا کر اوپر کی طرف مُڑتی ہیں تو ان کا عکس آسمان پر پیش کر دیتی ہیں۔

معلوماتِ عامہ ۲۶۸ کے صحیح جوابات

ہمدرد نونہال کی مقبولیت میں جیسے جیسے اضافہ ہوتا جارہا ہے، معلومات عامہ کے جوابات اور تصویریں بھیجنے والوں کی تعداد بھی بڑھتی جارہی ہے۔ ہم سے بعض نونہالوں نے شکایت کی ہے کہ ہماری تصویر کیوں شائع نہیں کی گئی، جب کہ ہمارے تمام جوابات درست تھے۔ بات یہ ہے جن کی عمر اچھی ہوگئی ہے یا وہ اپنی عمدہ صحت کی وجہ سے ماشاء اللہ جوان معلوم ہوتے ہیں ان کی تصویریں نونہالوں کے ساتھ اچھی نہیں معلوم ہوتیں۔ اس لیے ہم ذرا تامل کرتے ہیں۔ ویسے بھی اصل چیز تو نام ہے۔ نام بڑا انعام۔

۱۔ ملیشیا تیرہ ریاستوں کا وفاق ہے۔

۲۔ سورج کے قریب ترین سیّارے کا نام عُطارِد (مرکری) ہے۔

۳۔ نہر پناما بحرالکاہل اور بحرِ اوقیانوس کو ملاتی ہے اور نہر سویز بحیرۂ روم اور بحیرۂ قلزم کو ملاتی ہے۔

۴۔ مرحوم شاہ فیصل ۲ نومبر ۱۹۶۴ء کو سعودی عرب کے بادشاہ بنے تھے۔

۵۔ محمود غزنوی کے والد کا نام سبکتگین تھا۔

۶۔ مولانا محمد علی جوہر کے بڑے بھائی مولانا شوکت علی کا انتقال سنہ ۱۹۳۸ء میں ہوا تھا۔

۷۔ شاہ جہاں کے بیٹے دارا شکوہ کا مزار دہلی میں مقبرہ ہمایوں کے احاطے میں واقع ہے۔

۸۔ پاک پتن شریف میں حضرت بابا فرید گنج شکرؒ کا مزار ہے۔ اس جگہ کا پرانا نام اجودھن ہے۔

۹۔ برونئی دارالسلام، بورنیو کے شمال مغرب میں واقع ایک آزاد مملکت کا نام ہے۔ یہ یکم جنوری ۱۹۸۴ء کو آزاد ہوا تھا۔

۱۰۔ گھروں کی بجلی کا بل یونٹ کے حساب سے آتا ہے۔ ایک یونٹ میں ایک ہزار واٹ ہوتے ہیں۔

دس صحیح جوابات بھیجنے والوں کے نام

کراچی
سید حسن نقوی
سید افشاں نقوی
علی نزہت عابدی
سید اظہر احمد رضوی
سید مظہر احمد رضوی
سید مطاہر احمد رضوی
سید سجاد مہدی جارچوی
سید نظیر مصطفیٰ جارچوی

سانگھڑ
صغیر احمد صغیر
محمد خالد
غلام رسول پارس
پرنس محمد سلیم ملک

نربان غلام انور
ندیم عمر یوسف زئی
غلام نبی منصوری
محمد امین سیف الملوک
نوید علی ہاشمی
شاہد نذیر آرائیں
غلام مصطفیٰ لغاری بلوچ
فرید احمد قریشی
خیر النور میرس
توقیر محمد صدیقی
صغیر احمد صدیقی
محمد زبیر اصغر
فیاض احمد سومرو
ظفر اللہ شیخ

علی مدد پھلپوٹو
جاوید اقبال شیخ

حیدر آباد
غلام حسین میمن
محمد صفدر خان زادہ
محمد انور خان زادہ

سکرنڈ
نعیم احمد خان زادہ
ندیم احمد خان زادہ

سنجھورو
محمد طاہر آرائیں
عاشق حسین

دولت پور
خانزادہ مبشر اقبال راجپوت

دس صحیح جوابات بھیجنے والوں کی تصاویر

رضوان احمد سومرو، ٹنڈو محمد خان

جاوید عبدالکریم، کراچی

محمد احمد، کراچی

محمد عمران قادر، ٹنڈو آدم

محمد علی، لاہور

محمد رضوان، لاہور

محمد فرقان، لاہور

محمد عرفان اعوان، ملتان

محمد ساجد اقبال، کراچی

محمد جنید اقبال، کراچی

نو صحیح جوابات بھیجنے والوں کے نام

کراچی

شعیب احمد فرید
شیخ اعجاز فرید
سنبل گل گلزار علی
خرم عبدالحمید بٹ
حسن مہدی خراسانی
عاصم اظہر کرمانی
محمد مظفر شاہین عباسی

حیدر آباد

محمد اطہر سندھی
دُرِ شہوار
سعدیہ زہرا
ساجد سعید
آفرین فرح
ہاشم زین کاظمی
محمد ابراہیم چوہان، روہڑی

ریحانہ صدف چوہان، روہڑی
شمن مختار، دادو
عبدالکریم، اسلام آباد
محمد شعیب احمد ساجد، بکھوالہ

<u>سبزی خور چھپکلی</u> : یہ کیڑے مکوڑے نہیں کھاتی بلکہ گھاس پھوس کھا کر گزارا کرتی ہے۔ اس کا نام اگوان ہے اور یہ زمین پر نہیں، بلکہ پانی میں رہتی ہے۔

<u>ڈیو چھپکلی</u> : انڈونیشیا کے کموڈو جزیرے میں پائی جانے والی ڈراگون (ڈیو) نام کی چھپکلی اپنے بھاری بھرکم جسم کی بنا پر سچ مچ 'ڈیو' کہلانے کی حق دار ہے۔ یہ تیرہ چودہ فیٹ لمبی ہوتی ہے۔ اس کا وزن سو پونڈ کے لگ بھگ ہوتا ہے۔

<u>چاقو چھپکلی</u> : امریکا میں پائی جانے والی اس چھپکلی کی دُم لمبی اور چاقو کی طرح ہوتی ہے۔ یہی نہیں بلکہ مور کی طرح اس کے سر پر کلغی ہوتی ہے۔ یہ عجیب و غریب چھپکلی پانی میں تیر بھی سکتی ہے۔

اس شمارے کے مشکل الفاظ

خسارہ — خَ سَا رَ ہ : ٹوٹا، نقصان گھاٹا۔

تلقین — تَل قِین : نصیحت۔

عیّار — عَی یَا ر : چالاک، ہوشیار، مکّار، فریبی

جسارت — جَ سَا رَ ت : دلیری، مردانگی۔

چون وچرا — چُو نو چَرا : کیوں، کس لیے، اگر مگر، حُجّت۔

پیال — پَ یَا ل : دھان یا کودوں کا بُھس جس کو بچھا کر غریب لوگ سوتے ہیں۔

دَھنّی — دَ ھن نی : شہتیر، کڑی۔

کٹھن — کَ ٹھن : سخت، دشوار، مشکل۔

تردّد — تَ رَ د دُ د : فکر، تشویش، اندیشہ، اُدھیڑ بُن۔

ایوان — اے وَ ا ن : محل، مکان۔

لرزہ — لَر زَ ہ : وہ کپکپی جو خوف یا بیماری کی حالت میں ہوتی ہے، تھر تھر کانپنا، بھونچال۔

بلاغت — بَ لَا غَت : تیز زبانی، خوش گفتاری، وہ علم جس میں اعلا درجے کی خوش بیانی کی تعلیم ہو۔

حباب — حَ بَا ب : پانی کا بُلبلا، ایک زیور کا نام۔

کانچ — کا نچ : ایک قسم کا چمک دار مادّہ، بغیر صاف کیا ہوا شیشہ۔ ایک بیماری۔

آب دار — آب دَار : بادشاہوں اور امیروں کا وہ نوکر جس کے ذمّے پانی رکھنا اور پانی پلانا ہو، چمکیلا، دھار والا ہتھیار، لطیف، نفیس۔

چھڑکاؤ — چھڑ کَا ؤ : پانی زمین پر چھڑکنا، آب پاشی۔

سوندھا — سُو ن دھا : کوری مٹّی یا کورے برتن کی خوش بُو والا۔

سرشار — سَر شَا ر : وہ چیز جو سَر سے چھلکے، لبریز، لبالب، نشے میں چُور، بے خود۔

اشک — اَشک : آنسو۔

بے کراں — بے کَرَاں : بے حد، بے انتہا۔

نئی کارمینا

نظامِ ہضم کی اصلاح کے لیے زیادہ پُرتاثیر

ہمدرد کی تجربہ گاہوں میں ایک مدت سے عالمی شہرت یافتہ کارمینا کو زیادہ مؤثر بنانے کے لیے تحقیق جاری تھی تاکہ اسے دورِ جدید کے انسان کی ضروریات سے ہم آہنگ رکھا جائے۔ نئی کارمینا اسی تحقیقی عمل کا ماحصل ہے۔ پودینے کے جوہر اور دیگر مفید اجزا کی شمولیت نے نئی کارمینا کو زیادہ قوی اور زود اثر بنا دیا ہے۔

نئی کارمینا نظامِ ہضم کو درست رکھنے میں اب پہلے سے ومعاون ہے۔ خرابیٔ ہضم کی شکایات مثلاً بدہضمی، قبض، گیس، دردِ شکم اور بھوک کی کمی وغیرہ کے لیے اس کی افادیت میں اضافہ ہوگیا ہے۔

دردِ شکم میں نئی کارمینا کی دو ٹکیاں نیم گرم پانی کے ساتھ استعمال کریں۔

بدہضمی، قے یا متلی کی شکایت میں نئی کارمینا کی دو ٹکیاں چوسیں۔

نئی کارمینا کی دو سے چار ٹکیاں باقاعدگی کے ساتھ رات کو سوتے وقت نیم گرم پانی سے استعمال کی جائیں تو دائمی قبض سے نجات مل جاتی ہے۔

بھوک کی کمی کی شکایت میں صبح ناشتے سے پہلے، دوپہر اور رات کے کھانے سے قبل نئی کارمینا کی دو ٹکیاں چوسیے۔

بچوں کو حسبِ عمر آدھی یا ایک ٹکیہ نئی کارمینا دیجیے۔

خوش ذائقہ

نئی کارمینا

ہر گھر کی اہم ضرورت

ہمدرد

ہم خدمت خلق کرتے ہیں

Adarts

لیور برادرز کا
بلو بینڈ مارجرین
اب اور بھی مزیدار !
Blue Band
MARGARINE
لیور برادرز کا
بلو بینڈ مارجرین
لذت ہی لذت ۔ توانائی ہی توانائی

SCAN K.T.F.